ماہنامہ

اشراق

لاہور

دسمبر ۲۰۲۰ء

زیرسرپرستی

جاوید احمد غامدی

”... اللہ کے رسول جن قوموں کی طرف مبعوث کیے جاتے ہیں، اُن پر اتمام حجت کے بعد اُن قوموں کے لیے جنت اور جہنم کا فیصلہ اُنھی رسولوں کے ماننے یا نہ ماننے کی بنا پر ہوتا ہے۔ قرآن اِس معاملے میں بالکل صریح ہے۔ چنانچہ فرعونیوں کی طرح اُن کا عذاب بھی دنیا سے شروع ہو جاتا اور برزخ میں بھی اِسی طرح جاری رہتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ اِس کے بعد جب قیامت کا دن آئے گا تو اُنھیں جہنم کے بدترین عذاب میں داخل کر دیا جائے گا۔“

—— معارف نبوی

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website) please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

المورد
ادارۂ علم و تحقیق

المورد ملت اسلامیہ کی عظیم علمی روایات کا امین ایک منفرد ادارہ ہے۔ پندرھویں صدی ہجری کی ابتدا میں* یہ ادارہ اِس احساس کی بنا پر قائم کیا گیا ہے کہ تفقہ فی الدین کا عمل ملت میں صحیح نہج پر قائم نہیں رہا۔ فرقہ دارانہ تعصّبات اور سیاست کی حریفانہ کشمکش سے الگ رہ کر خالص قرآن وسنت کی بنیاد پر دین حق کی دعوت مسلمانوں کے لیے اجنبی ہو چکی ہے۔ قرآن مجید جو اِس دین کی بنیاد ہے، محض حفظ و تلاوت کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ دینی مدرسوں میں وہ علوم مقصود بالذات بن گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ قرآن مجید تک پہنچنے کا وسیلہ ہو سکتے تھے۔ حدیث، قرآن وسنت میں اپنی اساسات سے بے تعلق کر دی گئی ہے اور سارا زور کسی خاص مکتب فکر کے اصول وفروع اور دوسروں کے مقابلے میں اُن کی برتری ثابت کرنے پر ہے۔

المورد کے نام سے یہ ادارہ اِس صورت حال کی اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِس ادارے کا بنیادی مقصد دین کے صحیح فکر کی تحقیق و تنقید، تمام ممکن ذرائع سے وسیع پیمانے پر اُس کی نشرواشاعت اور اُس کے مطابق لوگوں کی تعلیم وتربیت کا اہتمام ہے۔

اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، اُس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ عالمی سطح پر تذکیر بالقرآن کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ قرآن وسنت کے مطابق خدا کی شریعت اور ایمان واخلاق کی تعلیم دی جائے۔

۳۔ دین کے صحیح الفکر علما اور محققین کو فیلو کی حیثیت سے ادارے کے ساتھ متعلق کیا جائے اور اُن کے علمی، تحقیقی اور دعوتی کاموں کے لیے اُنھیں ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔

۴۔ لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ جہاں جہاں ممکن ہے:

ا۔ اسلامی علوم کی ایسی درس گاہیں قائم کریں جن کا مقصد دین کے صحیح الفکر علما اور محققین تیار کرنا ہو۔

ب۔ ایف اے، ایف ایس سی اور اے لیول تک نہایت اعلیٰ معیار کے اسکول قائم کریں جن میں تعلیم وتعلم کے ساتھ طالب علموں کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشو ونما اور اُن کی دینی اور تہذیبی تربیت بھی پیش نظر ہو۔

ج۔ عام اسکولوں کے طلبہ کی دینی تعلیم کے لیے ایسے ہفتہ وار مدارس قائم کریں جن میں قرآن کی دعوت خود قرآن ہی کے ذریعے سے طالب علموں کے ذہن میں اِس طرح راسخ کر دی جائے کہ بعد کے زمانوں میں وہ پورے شرح صدر کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہ سکیں۔

د۔ ایسی خانقاہیں قائم کریں جہاں لوگ وقتاً فوقتاً اپنے دنیوی معمولات کو چھوڑ کر آئیں، علما وصالحین کی صحبت سے مستفید ہوں، اُن سے دین سیکھیں اور چند روز کے لیے یک سوئی کے ساتھ ذکر وعبادت میں مشغول رہ کر اپنے لیے پاکیزگیِ قلب و نظر کا اہتمام کریں۔

---

* شعبان ۱۴۰۳ھ بمطابق جون ۱۹۸۳ء۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

ماہنامہ

اشراق

لاہور

جلد ۳۲ شمارہ ۱۲ دسمبر ۲۰۲۰ء ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

مدیر

سید منظور الحسن

فہرست

مضمون	مصنف	صفحہ
شذرات		
وحی اور فطرت کا باہمی تعلق: جناب جاوید احمد غامدی کے موقف کا تقابلی مطالعہ (۳)	سید منظور الحسن	۴
قرآنیات		
البیان: الشعراء ۲۶: ۶۹-۱۰۴ (۲)	جاوید احمد غامدی	۱۸
معارف نبوی		
عذاب قبر (۱)	جاوید احمد غامدی/ ڈاکٹر محمد عامر گزدر	۲۳
دین و دانش		
دعوت دین میں انتقام	رضوان اللہ	۴۱
نقطۂ نظر		
حدیث: ''میری امت میں خلافت تیس سال رہے گی'' کا ایک جائزہ	ڈاکٹر عرفان شہزاد	۴۹
حرمت کے مہینوں میں قتال کی ممانعت: امام سرخسی کا استدلال	محمد حسن الیاس	۵۴
سیر و سوانح		
حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ (۲)	محمد وسیم اختر مفتی	۵۹
اصلاح و دعوت		
سازش کا نظریہ	محمد ذکوان ندوی	۶۹
حفظ مراتب	محمد تہامی بشر علوی	۷۳
اشاریہ		
اشاریہ ماہنامہ ''اشراق'' ۲۰۲۰ء	نعیم احمد	۷۷

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

فی شمارہ 50 روپے
سالانہ 500 روپے
رجسٹرڈ 1000 روپے
(زر تعاون بذریعہ منی آرڈر)

بیرون ملک

سالانہ 50 ڈالر

Post Box 5185, Lahore, Pakistan.
www.ghamidi.net, www.javedahmadghamidi.com
https://www.facebook.com/javedahmadghamidi
http://www.javedahmadghamidi.com/index.php/ishraq

سید منظور الحسن

وحی اور فطرت کا باہمی تعلق

جناب جاوید احمد غامدی کے موقف کا تقابلی مطالعہ

(۳)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

فطرت اور وحی کے باہمی تعلق کے حوالے سے ان بنیادی مباحث کی وضاحت کے بعد اب آیئے اس سوال کی طرف کہ کیا فطرت کو ایک الگ اور مستقل بالذات ماخذ دین کی حیثیت حاصل ہے؟ اس سوال کا جواب اگر اثبات میں ہے تو پھر مزید سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فطرت کا تعین کیسے ہوگا اور اگر اس ضمن میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے تو اسے کیسے رفع کیا جائے گا؟ ہم نے اوپر کے صفحات میں جو بحث کی ہے، اس کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ہم واضح کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے معاملے کو محض فطرت کی رہنمائی پر منحصر نہیں رکھا، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر انبیا علیہم السلام کا ایک سلسلہ جاری کیا ہے۔ ان انبیاے کرام نے دین فطرت کی تصویب وتائید کی ہے اور انسانوں کو اس کے حقائق کی جانب متوجہ کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے ان اختلافات کو بھی رفع کیا ہے جو فطرت کے تقاضوں کے فہم میں پیدا ہوئے تھے یا پیدا ہو سکتے تھے۔ چنانچہ انبیا کی رہنمائی کی موجودگی میں فطرت مستقل ماخذ دین کی حیثیت نہیں رکھتی۔ فطرت کی تعیین انبیا کی تائید و تصویب ہی سے ہوتی ہے اور اس کی تعیین کے لیے وحی کی رہنمائی سے آزاد کوئی الگ اور مستقل معیار موجود نہیں ہے۔ یہی موقف ہے جسے جناب جاوید احمد غامدی نے بیان کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”پہلی چیز (یعنی دین فطرت) کا تعلق ایمان و اخلاق کے بنیادی حقائق سے ہے اور اُس کے ایک بڑے حصے کو وہ اپنی اصطلاح میں معروف و منکر سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی وہ باتیں جو انسانی فطرت میں خیر کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہیں اور وہ جن سے فطرت ابا کرتی اور اُنھیں برا سمجھتی ہے۔ قرآن اُن کی کوئی جامع و مانع فہرست پیش نہیں کرتا، بلکہ اِس حقیقت کو مان کر کہ اُس کے مخاطبین ابتدا ہی سے معروف و منکر، دونوں کو پورے شعور کے ساتھ بالکل الگ الگ پہچانتے ہیں، اُن سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ معروف کو اپنائیں اور منکر کو چھوڑ دیں۔“

(میزان ۴۶)

یہی موقف ہے جسے جناب جاوید احمد غامدی نے بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک فطرت کے تعین میں اصل معیار کی حیثیت انبیا علیہم السلام کی تصویب کو حاصل رہی ہے۔ یہ تصویب آخری مرتبہ نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے ہوئی ہے۔ چنانچہ اسے جاننے کے لیے حتمی ماخذ کی حیثیت قرآن و سنت کو حاصل ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”(دین فطرت کے) اِس الہام کی تعبیر میں، البتہ اشخاص، زمانے اور حالات کے لحاظ سے بہت کچھ اختلافات ہو سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ اِس کی گنجایش بھی اُس نے باقی نہیں رہنے دی اور جہاں کسی بڑے اختلاف کا اندیشہ تھا، اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے خیر و شر کو بالکل واضح کر دیا ہے۔ اِن پیغمبروں کی ہدایت اب قیامت تک کے لیے قرآن مجید میں محفوظ ہے۔ انسان اپنے اندر جو کچھ پاتا ہے، یہ ہدایت اُس کی تصدیق کرتی ہے اور انسان کا وجدانی علم، بلکہ تجربی علم، قوانین حیات اور حالات وجود سے استنباط کیا ہوا علم اور عقلی علم، سب اِس کی گواہی دیتے ہیں۔ چنانچہ اخلاق کے فضائل و رذائل اِس کے نتیجے میں پوری قطعیت کے ساتھ متعین ہو جاتے ہیں۔“ (میزان ۲۰۳)

مذکورہ اقتباسات سے واضح ہے کہ غامدی صاحب کے نزدیک فطرت کے تعین کے سلسلے میں فیصلہ کن اتھارٹی کی حیثیت انبیا ہی کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غامدی صاحب نے ”اصول و مبادی“ میں فطرت کا ذکر قرآن مجید کی دعوت کو سمجھنے میں معاون ایک ذریعے کے طور پر تو کیا ہے، لیکن کہیں بھی اسے مستقل بالذات ماخذ دین کے طور پر پیش نہیں کیا۔

تاہم، اس ضمن میں سورۂ انعام (۶) کی آیت ۱۴۵ کی تفسیر میں غامدی صاحب کا نقطۂ نظر کسی تردد یا غلط فہمی کا باعث ہو سکتا ہے، اس لیے اُس کا تقابلی مطالعہ بھی اُن کے مدعا کی تفہیم میں معاون ثابت ہو گا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰي طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ. (الانعام ۶:۱۴۵)

''اِن سے کہہ دو، (اے پیغمبر کہ) جو وحی میرے پاس آئی ہے، اُس میں تو میں نہیں دیکھتا کہ کسی کھانے والے پر کوئی چیز حرام کی گئی ہے، جسے وہ کھاتا ہے، سوائے اِس کے کہ وہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون ہو یا سؤر کا گوشت ہو، اِس لیے کہ یہ ناپاک ہیں، یا خدا کی نافرمانی کر کے کسی جانور کو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔''

قرآن مجید کی اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان چار چیزوں کے علاوہ کھانے کی کوئی بھی چیز حرام نہیں ہے، جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث میں کچلی والے درندوں، چنگال والے پرندوں اور پالتو گدھے کا گوشت کھانے کی ممانعت بھی ثابت ہے۔ دونوں حکم بظاہر متعارض معلوم ہوتے ہیں اور علماے امت مختلف زاویوں سے ان کے مابین تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ان میں سے ایک گروہ کی راے میں قرآن کی بیان کردہ چار چیزیں ہی حرام ہیں اور ان کے علاوہ باقی کسی چیز کو حرام نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی راے صحیح بخاری میں یوں منقول ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول گھریلو گدھے کے گوشت کی ممانعت کو حرمت پر محمول نہیں کرتے تھے، اس لیے کہ ان کے خیال میں یہ بات 'قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ' کے منافی تھی (بخاری، رقم ۵۲۰۹۔ المستدرک، رقم ۳۲۳۶۔ ابوداؤد، رقم ۳۸۰۰، ۳۸۰۸)۔

اسی راے کو بعد میں فقہاے مالکیہ نے اختیار کیا، چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں بیان ہونے والے جانوروں کو حرمت پر نہیں، بلکہ کراہت پر محمول کرتے ہیں۔ اس کے برعکس جمہور فقہا اس بات کے قائل ہیں کہ کھانے کی اشیا میں ممانعت صرف ان چار چیزوں میں منحصر نہیں، بلکہ بہت سی دیگر اشیا بھی حرام اور ممنوع ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے بیان کردہ حصر کا صحیح محل واضح ہوئے بغیر تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ جناب جاوید احمد غامدی نے اسی اشکال کو حل کرتے ہوئے یہ راے ظاہر کی ہے کہ قرآن کی بیان کردہ حرمت کا دائرہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حرام قرار دیے جانے والے جانوروں کا دائرہ، دونوں

بالکل الگ الگ ہیں اور قرآن مجید نے جس دائرے میں حرمت کو چار چیزوں میں منحصر قرار دیا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حرمت کے دوسرے دائرے میں بھی کوئی چیز ممنوع قرار نہ پائے۔ ''اصول ومبادی'' میں اس نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''...اِس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے جو جانور پیدا کیے ہیں، اُن میں سے بعض کھانے کے ہیں اور بعض کھانے کے نہیں ہیں۔ یہ دوسری قسم کے جانور اگر کھائے جائیں تو اِس کا اثر چونکہ انسان کے تزکیہ پر پڑتا ہے، اِس لیے اِن سے اِبا اُس کی فطرت میں داخل ہے۔ انسان کی یہ فطرت بالعموم اُس کی صحیح رہنمائی کرتی اور وہ بغیر کسی تردد کے فیصلہ کر لیتا ہے کہ اُسے کیا کھانا چاہیے اور کیا نہیں کھانا چاہیے۔ اُسے معلوم ہے کہ شیر، چیتے، ہاتھی، چیل، کوے، گدھ، عقاب، سانپ، بچھو اور خود انسان کوئی کھانے کی چیز نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ گھوڑے، گدھے، دستر خوان کی لذت کے لیے نہیں، سواری کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اِن جانوروں کے بول و براز کی نجاست سے بھی وہ پوری طرح واقف ہے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ اُس کی یہ فطرت کبھی کبھی مسخ بھی ہو جاتی ہے، لیکن دنیا میں انسانوں کی عادات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اُن کی ایک بڑی تعداد اِس معاملے میں بالعموم غلطی نہیں کرتی۔ چنانچہ خدا کی شریعت نے بھی اِن جانوروں کی حلت و حرمت کو اپنا موضوع نہیں بنایا، بلکہ صرف یہ بتا کر کہ تمام طیبات حلال اور تمام خبائث حرام ہیں، انسان کو اُس کی فطرت ہی کی رہنمائی پر چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ شریعت کا موضوع اِس باب میں صرف وہ جانور اور اُن کے متعلقات ہیں جن کے طیب یا خبیث ہونے کا فیصلہ تنہا عقل و فطرت کی رہنمائی میں کر لینا انسان کے لیے ممکن نہ تھا۔ سؤر انعام کی قسم کے بہائم میں سے ہے، لیکن درندوں کی طرح گوشت بھی کھاتا ہے، پھر اُسے کیا کھانے کا جانور سمجھا جائے یا نہ کھانے کا؟ وہ جانور جنھیں ہم ذبح کر کے کھاتے ہیں، اگر تذکیے کے بغیر مر جائیں تو اُن کا حکم کیا ہونا چاہیے؟ اِنھی جانوروں کا خون کیا اِن کے بول و براز کی طرح نجس ہے یا اُسے حلال و طیب قرار دیا جائے گا؟ یہ اگر خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کر دیے جائیں تو کیا پھر بھی حلال ہی رہیں گے؟ اِن سوالوں کا کوئی واضح اور قطعی جواب چونکہ انسان کے لیے دینا مشکل تھا، لہٰذا وہ اِس معاملے میں غلطی کر سکتا تھا۔ سورۂ انعام (۶) کی آیت ۱۴۵ میں 'عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗ' کے الفاظ اِسی حقیقت پر دلالت کے لیے آئے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ذریعے سے اُسے بتایا کہ سؤر، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور بھی کھانے کے لیے پاک نہیں ہیں اور انسان کو اُن سے پرہیز کرنا چاہیے۔... جانوروں کی حلت و حرمت میں شریعت کا موضوع اصلاً یہ

چار ہی چیزیں ہیں۔ قرآن نے اِسی بنا پر بعض جگہ 'قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ' اور بعض جگہ 'اِنَّمَا' کے الفاظ میں پورے حصر کے ساتھ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف یہی چار چیزیں حرام قرار دی ہیں۔... بعض روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچلی والے درندوں اور چنگال والے پرندوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اوپر کی بحث سے واضح ہے کہ یہ اُسی فطرت کا بیان ہے جس کا علم انسان کے اندر ودیعت کیا گیا ہے۔ لوگوں کی غلطی یہ ہے کہ اُنھوں نے اِسے بیان فطرت کے بجاے بیان شریعت سمجھا، دراں حالیکہ شریعت کی اُن حرمتوں سے جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں، اِس کا سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے کہ اِس کی بنیاد پر حدیث سے قرآن کے نسخ یا اُس کے مدعا میں تبدیلی کا کوئی مسئلہ پیدا کیا جائے۔'' (میزان ۳۶، ۳۷، ۳۸)

مذکورہ اقتباس سے واضح ہے کہ غامدی صاحب کے نزدیک جانوروں کی حلت و حرمت کے باب میں اصل بنیاد کی حیثیت قرآن مجید کے بیان کردہ اصول 'اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ' (تمھارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال ہیں) کے مطابق ان کے خبیث یا طیب ہونے کو حاصل ہے۔ ان طیبات اور خبائث سے انسان اپنی فطرت کی رو سے بالعموم واقف رہا ہے، البتہ ان میں سے ان چیزوں کی شریعت نے وضاحت کر دی ہے جن میں انسان کے لیے اپنی فطرت کی رہنمائی میں فیصلہ کرنا ممکن نہیں تھا، جب کہ باقی جانوروں کے بارے میں انسان کے فطری علم پر اعتماد کرتے ہوئے اس بات کا فیصلہ اس کی فطرت ہی کے سپرد کر دیا گیا۔

غامدی صاحب کا یہ نقطۂ نظر اپنے بنیادی نکات کے لحاظ سے جمہور اہل علم کے موقف سے کسی طرح مختلف نہیں۔

سب سے پہلے تو یہ دیکھیں کہ سورۂ مائدہ (۵) کی آیت ۵ 'اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ' (تمھارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال ہیں) اور سورۂ اعراف (۷) کی آیت ۱۵۷ 'وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ' (یہ پیغمبر ان کے لیے طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام ٹھیراتا ہے) میں طیبات اور خبائث سے مراد کیا ہے؟ اس سوال کے، ظاہر ہے کہ دو ہی جواب ہو سکتے ہیں:

۱۔ ان سے مراد صرف وہ چیزیں ہیں جو حلت و حرمت کے حوالے سے شریعت میں بیان ہوئی ہیں۔

۲۔ ان سے مراد وہ چیزیں ہیں جنھیں انسان کی فطرت پسند کرتی یا جن سے وہ ابا کرتی ہے۔

امت کے جلیل القدر اہل علم نے اس سوال کے جواب میں بالعموم دوسری راے کو اختیار کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ طیبات اور خبائث سے مراد وہ چیزیں ہیں جنھیں انسانی فطرت طیب اور خبیث سمجھتی ہے۔ امام رازی

لکھتے ہیں:

ويحل لهم الطيبات: من الناس من قال: المراد بالطيبات الأشياء التي حكم الله بحلها وهذا بعيد لوجهين: الأول: أن على هذا التقدير تصير الآية ويحل لهم المحلات وهذا محض التكرير. الثاني: أن على هذا التقدير تخرج الآية عن الفائدة، لأنا لا ندري أن الأشياء التي أحلها الله ما هي وكم هي؟ بل الواجب أن يكون المراد من الطيبات الأشياء المستطابة بحسب الطبع وذالک لأن تناولها يفيد اللذة، والأصل في المنافع الحل فكانت هذه الآية دالة على أن الأصل في كل ما تستطيبه النفس ويستلذه الطبع الحل إلا لدليل منفصل....

وأقول: كل ما يستخبثه الطبع وتستقذره النفس كان تناوله سببًا للألم.

(تفسیر کبیر ۱۵/۲۴)

’’’ويحل لهم الطيبات‘: بعض لوگوں نے کہا ہے کہ طیبات سے مراد وہ اشیا ہیں جن کے حلال ہونے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، مگر یہ بات دو پہلوؤں سے بعید ہے: ایک یہ کہ اگر اس کا معنی یہ ہوتا تو پھر الفاظ یہ ہوتے کہ ’ويحل لهم المحلات‘ (اور پیغمبر ان کے لیے حلال چیزوں کو حلال ٹھیراتا ہے) اور یہ محض تکرار ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ معنی لینے سے آیت فائدے سے خالی ہو جاتی ہے، کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ جن اشیا کو اللہ نے حلال ٹھیرایا ہے، وہ کیا ہیں اور کتنی ہیں۔ لازم ہے کہ طیبات سے مراد وہ چیزیں ہوں جو طبیعت کو اچھی لگیں اور جن کو کھانے میں لذت کا فائدہ حاصل ہو۔ منافع میں اصل چیز حلت ہے۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو نفس کو پاکیزہ لگے اور طبیعت کو لذت دے، وہ حلال ہے اور ہر وہ چیز جو نفس کو ناپاک لگے اور طبیعت اس کو ناپسند کرے، وہ حرام ہے، سوائے اس کے کہ الگ سے کوئی دلیل ہو...۔

میں کہتا ہوں کہ خبائث سے مراد ہر وہ چیز ہے جو طبیعت کو ناپاک کرے اور نفس کو آلودہ کرے اور اس کو لینا تکلیف کا سبب بنے۔‘‘

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

امام رازی نے یہی بات اپنی تفسیر میں ایک اور مقام پر قدرے مختلف الفاظ میں بیان کی ہے۔ لکھتے ہیں:

فلا يمكن أن يكون المراد بالطيبات ههنا المحلات، وإلّا لصار تقدير الآية: قل أحل لكم المحلات، ومعلوم أن هذا ركيك، فوجب حمل الطيبات على المستلذ المشتهى، فصار التقدير: أحل لكم كل ما يستلذ ويشتهى.

ثم اعلم أن العبرة في الاستلذاذ والاستطبة اہل المروءة والأخلاق الجميلة، فإن أهل البادية يستطيبون أكل جميع الحيوانات ويتأكد دلالة هذه الآيات بقوله 'خلق لكم ما فى الارض جميعًا'. (تفسیر کبیر ۱۱/ ۱۴۲)

''یہ ممکن نہیں ہے کہ یہاں طیبات سے مراد (اللہ تعالیٰ کی) حلال کردہ چیزیں ہوں۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ آیت اس طرح ہوتی: 'قل احل لکم المحلات' (کہہ دو تمھارے لیے حلال چیزیں حلال کی گئی ہیں) اور یہ معلوم ہے کہ یہ کم زور (جملہ) ہے۔ چنانچہ لازم ہے کہ طیبات کو لذیذ اور پسندیدہ چیزوں پر محمول کیا جائے۔ لہٰذا جملے کا مفہوم یہ ہو گا: 'احل لکم کل ما یستلذ و یشتهی' (تمھارے لیے ہر لذیذ اور پسندیدہ چیز حلال کی گئی ہے)۔

پھر یہ جان لو کہ لذیذ ہونے اور پاکیزہ ہونے میں اچھے اخلاق والے لوگوں ہی کا اعتبار کیا جائے گا، کیونکہ اہل بادیہ تمام حیوانات کے کھانے کو پاکیزہ سمجھتے تھے۔ اور ان آیات کی دلالت کی تائید یہ آیت کرتی ہے کہ 'زمین میں جو کچھ ہے، اس نے تمھارے لیے ہی پیدا کیا ہے'۔''

علامہ محمود آلوسی نے بیان کیا ہے:

ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث: فسر الأول بالأشياء التي يستطيبها الطبع كالشحوم، والثاني بالأشياء التي يستخبثها كالدم، فتكون الآية دالة على أن الأصل في كل ما

''ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث': پہلی چیز، (یعنی طیبات) کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو طبیعت کو پاکیزہ لگیں، جیسے چربی۔ اور دوسری چیز، (یعنی خبائث) سے مراد وہ اشیا ہیں جو طبیعت کو

تستطيبه النفس ويستلذه الطبع الحل وفي كل ما تستخبثه النفس ويكرهه الطبع الحرمة إلا لدليل منفصل.

(روح المعانی ۸۱/۹)

ناپاک لگیں، جیسے خون۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو نفس کو پاکیزہ لگے اور طبیعت کو لذت دے، وہ حلال ہے اور ہر وہ چیز جو نفس کو ناپاک لگے اور طبیعت اس کو ناپسند کرے، وہ حرام ہے، سوائے اس کے کہ الگ سے کوئی دلیل ہو۔‘‘

صاحب ’’معارف القرآن‘‘ مولانا مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

’’لغت میں طیبات صاف ستھری اور مرغوب چیزوں کو کہا جاتا ہے۔ اور خبائث اس کے بالمقابل گندی اور قابل نفرت چیزوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس لیے آیت کے اس جملہ نے یہ بتلا دیا کہ جتنی چیزیں صاف ستھری، مفید اور پاکیزہ ہیں، وہ انسان کے لیے حلال کی گئیں، اور جو گندی قابل نفرت اور مضر ہیں وہ حرام کی گئی ہیں۔ ...اب یہ بات کہ کون سی چیزیں طیبات یعنی صاف ستھری، مفید اور مرغوب ہیں اور کون سی خبائث یعنی گندی، مضر اور قابل نفرت ہیں، اس کا اصل فیصلہ طبائع سلیمہ کی رغبت و نفرت پر ہے۔‘‘

(معارف القرآن ۴۳/۳، ۴۴)

صاحب ’’تفہیم القرآن‘‘ نے لکھا ہے کہ ہر چیز طیب ہے اور حلال ہے، سوائے ان چیزوں کے جنھیں شریعت نے ناپاک اور حرام قرار دیا ہے اور جنھیں انسانی فطرت ناپاک تصور کرتی ہے:

’’حلال کے لیے ’’پاک‘‘ کی قید اس لیے لگائی کہ ناپاک چیزوں کو اس اباحت کی دلیل سے حلال ٹھیرانے کی کوشش نہ کی جائے۔ اب رہا یہ سوال کہ اشیا کے ’’پاک‘‘ ہونے کا تعین کس طرح ہو گا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو چیزیں اصول شرع میں سے کسی اصل کے ماتحت ناپاک قرار پائیں، یا جن چیزوں سے ذوق سلیم کراہت کرے، یا جنھیں مہذب انسان نے بالعموم اپنے فطری احساس نظافت کے خلاف پایا ہو، ان کے ماسوا سب کچھ پاک ہے۔‘‘ (تفہیم القرآن ۴۴۵/۱)

صاحب ’’تفہیم القرآن‘‘ نے اس موقع پر ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو مذہبیت کے زیر عنوان ہر چیز کو قانون کے زاویے سے دیکھتے اور اس کی حلت و حرمت کے تعین کے لیے سرگرداں رہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن نے اس موقع پر انھی لوگوں کی ذہنیت کی اصلاح کی ہے۔ مولانا کا یہ تبصرہ حسب ذیل ہے۔ فاضل تنقید نگار کے

لیے اگر گراں باری خاطر نہ ہو تو وہ اس کی روشنی میں اپنے مقدمات کا بھی جائزہ لے سکتے ہیں:

"...مذہبی طرز خیال کے لوگ اکثر اس ذہنیت کے شکار ہوتے رہے ہیں کہ دنیا کی ہر چیز کو حرام سمجھتے ہیں جب تک کہ صراحت کے ساتھ کسی چیز کو حلال نہ قرار دیا جائے۔ اس ذہنیت کی وجہ سے لوگوں پر وہمی پن اور قانونیت کا تسلط ہو جاتا ہے۔ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں حلال اشیا اور جائز کاموں کی فہرست مانگتے ہیں اور ہر کام اور ہر چیز کو اس شبہ کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں کہ کہیں وہ ممنوع تو نہیں۔ یہاں قرآن اسی ذہنیت کی اصلاح کرتا ہے۔ پوچھنے والوں کا مقصد یہ تھا کہ انھیں تمام حلال چیزوں کی تفصیل بتائی جائے تاکہ ان کے سوا ہر چیز کو وہ حرام سمجھیں۔ جواب میں قرآن نے حرام چیزوں کی تفصیل بتائی اور اس کے بعد یہ عام ہدایت دے کر چھوڑ دیا کہ ساری پاک چیزیں حلال ہیں۔ اس طرح قدیم مذہبی نظریہ بالکل الٹ گیا۔ قدیم نظریہ یہ تھا کہ سب کچھ حرام ہے بجز اس کے جسے حلال ٹھیرایا جائے۔ قرآن نے اس کے برعکس یہ اصول مقرر کیا کہ سب کچھ حلال ہے بجز اس کے جس کی حرمت کی تصریح کر دی جائے۔ یہ ایک بہت بڑی اصلاح تھی جس نے انسانی زندگی کو بندشوں سے آزاد کر کے دنیا کی وسعتوں کا دروازہ اس کے لیے کھول دیا۔ پہلے حلت کے ایک چھوٹے سے دائرے کے سوا ساری دنیا اس کے لیے حرام تھی۔ اب حرمت کے ایک مختصر سے دائرے کو مستثنیٰ کر کے ساری دنیا اس کے لیے حلال ہو گئی۔" (تفہیم القرآن ۱/ ۴۴۴-۴۴۵)

حلت و حرمت کے باب میں شریعت کے اسی بنیادی اصول کے تحت قرآن مجید نے بھی خبائث کا مصداق قرار پانے والی بعض چیزوں کی وضاحت کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض چیزوں کو متعین کیا ہے۔ جہاں تک قرآن مجید کی بیان کردہ چار چیزوں کا تعلق ہے تو وہ ایک مخصوص دائرے میں حصر کے ساتھ بیان ہوئی ہیں اور ان پر اضافے کی کوئی گنجایش نہیں، البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مختلف جس دوسرے دائرے میں بعض جانوروں کی حرمت کو واضح کیا ہے، وہ چونکہ خبائث کی حرمت کے اسی عمومی اصول پر مبنی ہے جو قرآن مجید میں بیان ہوا ہے، اس لیے اسی اصول پر اگر انسان اپنی فطری ناپسندیدگی کی بنا پر بعض ایسی چیزوں پر حرمت کا حکم لگائیں جن کے بارے میں قرآن مجید نے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی فیصلہ نہیں سنایا تو یہ کسی صورت میں دین کے خلاف متصور نہیں ہوگا، بلکہ بعینہٖ شارع کے بیان کردہ اصول پر عمل قرار پائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ علما و فقہا نے جانوروں کی حلت و حرمت کے معاملے میں طیبات و خبائث ہی کو اصل الاصول قرار دیا ہے اور اس باب میں انسانی طبائع کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی ہی کو معیار مانتے ہوئے بہت سے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ایسے جانوروں کو بھی حرمت کے دائرے میں شامل کیا ہے جن کی حرمت قرآن و حدیث میں مذکور نہیں ہے۔ اس ضمن میں اگر کوئی اختلاف واقع ہوتا ہے تو شارع کی طرف سے کوئی واضح صراحت میسر نہ ہونے کی بنا پر وہ اجتہادی اختلاف قرار پائے گا جس کی رخصت اور گنجایش خود صاحب شرع کی طرف سے رکھی گئی ہے۔

ذیل میں فقہ کے مختلف مکاتب فکر کے نمایندہ اصحاب علم کی آرا نقل کی جا رہی ہیں۔ امید ہے کہ ان کے مطالعے سے ہماری بات پوری طرح واضح ہو جائے گی۔

امام شافعی لکھتے ہیں:

فإن العرب كانت تحرم أشياء على أنها من الخبائث وتحل أشياء على أنها من الطيبات فأحلت لهم الطيبات عندهم إلا ما استثنى منها وحرمت عليهم الخبائث عندهم قال الله عزوجل: ويحرم عليهم الخبائث... ولو ذهب ذاهب إلى أن يقول كل ما حرم حرام بعينه وما لم ينص بتحريم فهو حلال أحل أكل العذرة والدود وشرب البول لأن هذا لم ينص فيكون محرمًا ولكنه داخل في معنى الخبائث التي حرموا فحرمت عليهم بتحريمهم... فلم تكن العرب تأكل كلبًا ولا ذئبًا ولا أسدًا ولا نمرًا وتأكل الضبع فالضبع حلال... فجاءت السنة موافقة للقرآن بتحريم ما حرموا وإحلال ما أحلوا. (الام ۲/۲۴۱)

”اہل عرب بہت سی چیزوں کو ان کے خبیث ہونے کی وجہ سے حرام اور بہت سی چیزوں کو ان کے طیب ہونے کی وجہ سے حلال سمجھتے تھے، چنانچہ جن چیزوں کو وہ طیب سمجھتے تھے، ان میں سے بعض کو مستثنیٰ کرتے ہوئے باقی کو ان کے لیے حلال قرار دیا گیا، اور جن چیزوں کو وہ خبیث سمجھتے تھے، وہ ان کے لیے حرام کر دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ رسول ان پر خبیث چیزوں کو حرام ٹھیراتا ہے۔... اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ بس وہی چیز حرام ہے جس کو نام لے کر حرام کہا گیا ہو اور جس کی حرمت پر کوئی نص نہ ہو، وہ حلال ہے تو اسے پاخانہ اور (زخم سے نکلنے والے) کیڑوں کے کھانے اور پیشاب پینے کو حلال کہنا ہوگا، کیونکہ ان کے حرام ہونے پر کوئی نص نہیں، بلکہ یہ چیزیں 'خبائث' کے اندر شامل ہیں جنھیں اہل عرب حرام سمجھتے تھے اور ان کے حرام سمجھنے ہی کی وجہ سے (شریعت

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

میں بھی) انھیں ان کے لیے حرام کہا گیا۔... پس اہل عرب کتے، بھیڑیے، شیر اور چیتے کا گوشت نہیں کھاتے تھے، جب کہ بجو کا گوشت کھا لیتے تھے، اس لیے بجو حلال ہے۔ اسی طرح وہ چوہے، بچھو، سانپ، چیل اور کوے کو نہیں کھاتے تھے، پس سنت میں (جو بعض چیزوں کو حرام کہا گیا ہے) وہ قرآن کے اس حکم کے موافق ہے کہ اہل عرب جن چیزوں کو حلال سمجھتے ہیں، وہ حلال اور جن کو حرام سمجھتے ہیں، وہ حرام ہیں۔“

علامہ کاسانی حنفی نے بیان کیا ہے:

إن الشرع إنما جاء بإحلال ما هو مستطاب في الطبع لا بما هو مستخبث ولهذا لم يجعل المستخبث في الطبع غذاء اليسر وإنما جعل ما هو مستطاب بلغ في الطيب غايته. (بدائع الصنائع ۵/۳۸)

”شریعت نے انھی چیزوں کو حلال کیا ہے جو انسانی طبع کے لیے خوش گوار ہیں، نہ کہ ان کو جن سے وہ گھن کھاتی ہے، اسی لیے فراوانی کی حالت میں اس چیز کو غذا نہیں بنایا گیا جو طبع کے لیے ناگوار ہو، بلکہ اس چیز کو غذا ٹھیرایا گیا ہے جو حد درجہ خوش گوار اور مرغوب ہے۔“

پانی کے بعض جانوروں کے بارے میں لکھتے ہیں:

وقوله عز شانه ويحرم عليهم الخبائث والضفدع والسرطان والحية ونحوها من الخبائث. (بدائع الصنائع ۵/۳۵)

”اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ رسول ان پر خبیث چیزوں کو حرام ٹھیراتا ہے، اور مینڈک، کیکڑا اور سانپ وغیرہ بھی خبائث میں سے ہیں۔“

خشکی کے جانوروں کے بارے میں فرماتے ہیں:

الذي يعيش في البر فأنواع ثلاثة ما

”جو جانور خشکی پر رہتے ہیں، ان کی تین قسمیں

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ليس له دم أصلا وما ليس له دم سائل وما له دم سائل مثل الجراد والزنبور والذباب والعنكبوت والعضابة والخنفساء والبغاثة والعقرب ونحوها لا يحل أكله إلا الجراد خاصة لأنها من الخبائث لاستبعاد الطبائع السليمة إياها وقد قال الله تبارك وتعالىٰ: ويحرم عليهم الخبائث... كذالک ما ليس له دم سائل مثل الحية والزغ وسام ابرص وجميع الحشرات وهوام الأرض من الفار والقراد والقنافذ والضب واليربوع وابن عرس ونحوها.

(بدائع الصنائع ۵/۳۶)

ہیں: کچھ وہ ہیں جن میں سرے سے خون نہیں، کچھ وہ ہیں جن میں بہنے والا خون نہیں اور کچھ وہ ہیں جن میں بہنے والا خون ہے۔ (پس جن میں سرے سے خون نہیں) جیسا کہ ٹڈی، بھڑ، مکھی، مکڑی، بغاثہ، گبریلا، پسو اور بچھو وغیرہ تو ان میں سے ٹڈی کے علاوہ باقی چیزوں کا کھانا حلال نہیں، کیونکہ یہ خبیث ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ سلیم طبیعتیں ان سے اجتناب کرتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ رسول ان پر خبیث چیزوں کو حرام ٹھیراتا ہے۔... اسی طرح وہ جانور بھی حرام ہیں جن میں بہنے والا خون نہیں، جیسے سانپ، چھپکلی کی مختلف قسمیں، کیڑے مکوڑے، زمین کے جانور مثلاً چوہا، چیچڑی، سیہ، گوہ، یربوع اور نیولا وغیرہ۔“

امام ابن قتیبہ نے لکھا ہے:

”بعض حرام چیزیں ایسی ہیں جن کی حرمت پر نہ قرآن میں کوئی آیت اتری ہے اور نہ سنت میں کوئی نص ہے۔ ان میں لوگوں کو ان کی فطرت پر اور اس طبیعت پر چھوڑ دیا گیا ہے جن پر انھیں پیدا کیا گیا ہے، جیسے انسان کا گوشت، بندر کا گوشت، سانپ، چھپکلی کی مختلف قسمیں اور چوہا وغیرہ۔ ان میں سے ہر چیز سے نفوس گھن کھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی کتاب میں یہ اصول بتا دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر خبیث چیزوں کو حرام ٹھیراتے ہیں، اور یہ تمام چیزیں فطرت کی رو سے خبیث ہیں۔“ (تاویل مختلف الحدیث ۱۸۱)

ابن قدامہ حنبلی نے بیان کیا ہے:

وما عدا هذا فما استطابته العرب فهو حلال لقول الله تعالىٰ: (ويحل

”ان جانوروں کے علاوہ جن جانوروں کو اہل عرب حلال سمجھتے ہوں، وہ حلال ہیں، کیونکہ

لهم الطيبات) يعني ما يستطيبونه دون الحلال... وما استخبثته العرب فهو محرم لقول الله تعالىٰ: (ويحرم عليهم الخبائث)... إذا ثبت هذا فمن المستخبثات الحشرات كالديدان والجعلان وبنات وردان والخنافس والفار والأوزاغ والحرباء والعضاة والجراذين والعقارب والحيات.(المغنی ۸/۵۸۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ رسول ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال ٹھیراتا ہے، یعنی ان چیزوں کو جنھیں اہل عرب طیب سمجھتے ہیں۔...اور جن چیزوں کو اہل عرب خبیث سمجھتے ہوں، وہ حرام ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ رسول ان پر خبیث چیزوں کو حرام ٹھیراتا ہے۔...جب یہ ثابت ہو گیا تو خبیث سمجھی جانے والی چیزوں میں حشرات مثلاً کیڑے، گبریلے کی مختلف نسلیں، چھپکلی کی مختلف قسمیں، گرگٹ، مختلف قسم کے چوہے، بچھو اور سانپ وغیرہ شامل ہیں۔''

یہاں تک کہ ابن حزم کو بھی، جنھوں نے کسی بھی چیز کو خبیث قرار دینے کے لیے شارع کی طرف سے نص کو ضروری قرار دیا ہے (المحلیٰ ۸/ ۴۲) اور اپنی کتاب ''المحلیٰ'' میں مختلف جانوروں کی خباثت کے بارے میں پوری محنت سے نصوص جمع کرنے کی کوشش کی ہے، بعض جانوروں کے خبیث ہونے کے بارے میں انسانی فطرت اور رجحان ہی پر انحصار کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

وأما العقارب والحيات فما يمتري ذو فهم في أنهن من أخبث الخبائث وقد قال تعالىٰ: ويحرم عليهم الخبائث وأما الفيران فما زال جميع أهل الإسلام يتخذون لها القطاط والمصايد القتالة ويرمونها مقتولة على المزابل فلو كان أكلها حلالًا لكان ذالک من المعاصي ومن إضاعة المال.(المحلیٰ ۷/۴۰۴)

''رہے بچھو اور سانپ تو کسی ذی فہم کو اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ خبیث ترین چیزیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ رسول ان پر خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔ جب کہ چوہوں کے شکار کے لیے تمام اہل اسلام بلیاں اور مہلک چوہے دان رکھتے رہے ہیں اور انھیں مارنے کے بعد انھیں کوڑا کرکٹ کی جگہوں پر پھینک دیتے ہیں۔ پس اگر ان کا کھانا حلال ہوتا تو مسلمانوں کا ایسا کرنا گناہ ہوتا اور مال کو ضائع کرنے کے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

زمرے میں آتا۔“

اس تفصیل سے واضح ہے کہ جناب جاوید احمد غامدی جانوروں کی حلت وحرمت کے باب میں طیبات اور خبائث کو بنیادی اصول قرار دیتے ہیں، البتہ ان کے مصداق کی تعیین کے ضمن میں، بعض فقہا کی رائے کے برعکس، منصوص جانوروں تک حرمت کو محدود رکھنے کے بجاے انسانوں کی فطرت سلیمہ اور ان کے ذوق اور مزاج کی روشنی میں ممانعت کے اس دائرے میں توسیع کے قائل ہیں اور ان کی یہ راے جمہور فقہا کے مسلک کے عین مطابق ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اشراق

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الشعراء

(۲)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالُوْا
نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿٧١﴾
قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿٧٢﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿٧٣﴾

اور اِنھیں ابراہیم کی سرگذشت سناؤ، جب اُس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم (کے لوگوں) سے پوچھا تھا کہ یہ تم کیا پوجتے ہو[۱۲۹]؟ اُنھوں نے جواب دیا: ہم بتوں کو پوجتے ہیں، سو (تم جو چاہے، کہتے رہو)، ہم اِن کی پوجا پر برابر جمے رہیں گے۔ ۶۹-۷۱

ابراہیم نے کہا: کیا یہ تمھاری سنتے ہیں، جب تم اِنھیں پکارتے ہو؟ یا تمھیں کچھ نفع یا نقصان

۱۲۹۔ یہ سوال استخفاف کی نوعیت کا ہے، اِس لیے اُن کی قوم نے اِس کا جواب بھی جاہلی حمیت کے پورے جوش کے ساتھ دیا ہے۔

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٤﴾
قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٥﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَاِنَّهُمْ
عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٧﴾ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿٧٨﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ
وَيَسْقِيْنِ ﴿٧٩﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿٨٠﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿٨١﴾

پہنچاتے ہیں؟ اُنھوں نے جواب دیا: نہیں، (ہم یہ سب نہیں جانتے)، بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایساہی کرتے دیکھا ہے۔ ۷۲-۷۴

ابراہیم نے کہا: پھر کیا تم نے اِن پر غور بھی کیا ہے جنھیں تم پوجتے رہے ہو؟ تم بھی اور تمھارے اگلے باپ دادا بھی۔ سو میرے تو یہ سب دشمن ہیں[130]، اللہ رب العٰلمین کے سوا جس نے مجھے پیدا کیا ہے، پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے[131]۔ اور جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے[132] اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے[133] اور جو مجھے موت دے گا، پھر مجھ کو زندہ کرے گا[134]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۱۳۰۔ اِس لیے کہ شیطان اِنھی کے ذریعے سے اپنا انتقام اولاد آدم سے لیتا ہے اور اُنھیں گم راہ کر کے جہنم تک پہنچا دیتا ہے۔ اپنی قوم کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام کی یہ گفتگو صاف بتا رہی ہے کہ وہ اُس پر ہر لحاظ سے اتمام حجت کر چکے تھے اور ہجرت سے پہلے اب آخری گفتگو فرما رہے تھے۔ اِس میں، ظاہر ہے کہ لب ولہجہ وہ نہیں ہو سکتا جو ابتداے دعوت میں ہوتا ہے۔

۱۳۱۔ یعنی پہلے عقل و فطرت اور اُس کے بعد نبوت و رسالت کے ذریعے سے میری عقلی اور روحانی ضروریات کو پورا کرنے کا اہتمام بھی اُسی نے کر رکھا ہے۔

۱۳۲۔ یعنی میری تمام مادی ضروریات بھی پوری کرتا ہے۔

۱۳۳۔ اِس میں غور کیجیے، شفا کی نسبت تو اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی ہے، لیکن بیماری کی نسبت اُس کی طرف نہیں کی گئی۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”...اِس کی وجہ سوءِ ادب سے احتراز بھی ہے اور اِس حقیقت کا اظہار بھی کہ نعمتیں جس قدر بھی بندے کو ملتی ہیں، وہ سب خدا کے فضل وجود سے ملتی ہیں۔ لیکن اُس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ بسا اوقات اُس کے کسی

وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۸۲﴾
رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ
فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ﴿۸۵﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ اِنَّهٗ كَانَ

اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ جزا کے دن وہ میرے گناہ معاف فرما دے گا[۱۳۵]۔ ۷۵-۸۲

(ابراہیم یہ سب کہہ چکا تو اُس نے دعا کی کہ) میرے پروردگار، مجھے قوت فیصلہ عطا فرما[۱۳۶] اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا[۱۳۷] اور بعد کے آنے والوں میں میرا ذکر خیر[۱۳۸] جاری رکھ اور باغ راحت کے وارثوں میں مجھے بھی ایک وارث بنا اور میرے باپ کو معاف کر دے، بے شک

عمل پر مترتب ہوتی ہے۔ ہر چند وہ پہنچتی تو خدا کے اذن و حکم ہی سے ہے، لیکن اُس میں انسان کی اپنی غفلت کو بھی دخل ہوتا ہے، اِس وجہ سے وہ بندے کی طرف منسوب ہوتی ہے۔'' (تدبر قرآن ۵/۵۲۵)

۱۳۴۔ انسان جیسی مخلوق کے لیے جو اپنی ذات کے شعور کے ساتھ پیدا کی گئی ہے، یہ سب سے بڑی نعمت ہے جس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

۱۳۵۔ اِس بدیہی حقیقت کو لفظوں میں ظاہر کیے بغیر کہ پھر وہ ایک روز جزا برپا کرے گا، ابراہیم علیہ السلام نے یہ اپنے پروردگار کے فضل و عنایت کی طرف توجہ دلا دی ہے کہ بندہ سرکشی چھوڑ کر اُسی کا ہو جائے تو وہ آخری درجے میں اُس کی غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگذر بھی فرماتا ہے:

عصیان ما و رحمت پروردگار ما   ایں را نہایتے ست نہ آں را نہایتے

۱۳۶۔ یہ دعا چونکہ ہجرت کے موقع پر کی گئی ہے جو انبیا علیہم السلام کی دعوت میں نہایت اہم مرحلہ ہوتا ہے۔ اِس لیے دعا کی ابتدا اِس درخواست سے ہوئی ہے کہ آگے کے مراحل میں ہر موقع پر اُنھیں صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق حاصل رہے۔

۱۳۷۔ یعنی دنیا اور آخرت، دونوں میں اُن کی معیت و رفاقت عطا فرما۔

۱۳۸۔ اصل میں 'لِسَانَ صِدْقٍ' کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی ذکر جمیل، جس میں پایداری اور دوام و استمرار بھی ہو۔ ابراہیم علیہ السلام کی اِس دعا کو جو قبولیت حاصل ہوئی، اُس کی کوئی دوسری مثال انسانی تاریخ سے پیش نہیں کی جا سکتی۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٨٧﴾
يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿٨٨﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٩﴾ وَاُزْلِفَتِ
الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿٩١﴾ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ
تَعْبُدُوْنَ ﴿٩٢﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَكُبْكِبُوْا

وہ گم راہوں میں سے ہے۔ اور جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے، اُس دن، (اے پروردگار)، مجھے رسوانہ کر۔[۱۳۹] ۸۳-۸۷

(فرمایا[۱۴۰]): جس دن نہ مال کام آئے گا، نہ اولاد[۱۴۱]، صرف وہی کامیاب ہوں گے جو قلب سلیم[۱۴۲] لے کر خدا کے پاس آئیں گے۔ (اُس دن) جنت خدا سے ڈرنے والوں کے قریب لائی جائے گی[۱۴۳] اور جہنم گم راہوں کے لیے بے نقاب کر دی جائے گی اور اُن سے پوچھا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے تھے۔ کیا وہ تمھاری کچھ مدد کریں گے یا (آج) خود اپنا بچاؤ

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

۱۳۹۔ مطلب یہ ہے کہ باپ کو جہنم میں ڈالا گیا تو بیٹے کی حیثیت سے یہ چیز میرے لیے باعث رسوائی ہو گی، اِس لیے درخواست کر رہا ہوں کہ اگرچہ میرا باپ گم راہ ہے، لیکن مجھ پر عنایت کے لیے آپ اُس کو معاف فرما دیں۔ دوسری جگہ وضاحت ہے کہ یہ دعا چونکہ خدا کے بے لاگ عدل کے خلاف تھی، اِس لیے قبول نہیں ہوئی۔

۱۴۰۔ یہاں سے آگے اب پیرے کے آخر تک شان کلام صاف بتا رہی ہے کہ پوری عبارت حضرت ابراہیم کی دعا کا جز نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشاد ہے۔

۱۴۱۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لیے مغفرت چاہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہایت لطیف اسلوب میں بتا دیا ہے کہ نہیں، تمھارے جیسا فرزند بھی وہاں اپنے باپ کے کام نہ آسکے گا۔

۱۴۲۔ اِس سے مراد وہ دل ہے جو اپنی اصل فطرت پر قائم اور شرک و نفاق کی ہر آلایش سے پاک ہو۔

۱۴۳۔ یعنی جس طرح مہمانوں کی تشریف و تکریم کے لیے کوئی چیز اُن کے سامنے پیش کی جاتی ہے، اُسی طرح پیش کر دی جائے گی۔

فِيۡهَا هُمۡ وَالۡغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوۡدُ اِبۡلِيۡسَ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿۹۵﴾
قَالُوۡا وَهُمۡ فِيۡهَا يَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنۡ كُنَّا لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۹۷﴾ اِذۡ
نُسَوِّيۡكُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۹۸﴾ وَمَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنۡ
شَافِعِيۡنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيۡقٍ حَمِيۡمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوۡ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۰۲﴾
اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۰۴﴾

کرلیں گے؟ پھر وہ بھی اور یہ بھٹکے ہوئے لوگ بھی اور ابلیس کے لشکر بھی، سب کے سب اُس میں اوندھے منہ جھونک دیے جائیں گے۔[۱۴۴] ۸۸-۹۵

وہاں وہ آپس میں جھگڑتے ہوئے (اپنے لیڈروں سے) کہیں گے: خدا کی قسم، ہم کھلی ہوئی گم راہی میں تھے، جب کہ تمھیں خداوند عالم کے برابر ٹھیراتے تھے[۱۴۵]۔ (پھر اپنی بدبختی پر ماتم کریں گے کہ) ہمیں تو اِن مجرموں ہی نے گم راہ کیا۔ سو اب نہ ہمارے لیے کوئی سفارش کرنے والا ہے، نہ کوئی گرم جوشی سے محبت کرنے والا دوست۔ اب تو اے کاش، ایک دفعہ پلٹنا نصیب ہو کہ ہم ایمان والے بن جائیں۔ ۹۶-۱۰۲

اِس میں، یقیناً بہت بڑی نشانی ہے، لیکن اِن میں سے اکثر ماننے والے نہیں ہیں۔ اور تیرا پروردگار، اِس میں کچھ شک نہیں کہ وہ زبردست بھی ہے اور نہایت مہربان بھی[۱۴۶]۔ ۱۰۳-۱۰۴

۱۴۴۔ اصل میں لفظ 'كُبۡكِبُوۡا' آیا ہے۔ یہ 'کب' کی تکریر ہے جس سے مبالغہ اور تکرار کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے۔

۱۴۵۔ یعنی تمھاری بات اُسی طرح مانتے تھے، جس طرح رب العٰلمین کی بات ماننی چاہیے۔

۱۴۶۔ یہ وہی ترجیع ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔

[باقی]

جاوید احمد غامدی

ترجمہ و تحقیق: ڈاکٹر محمد عامر گزدر

عذاب قبر

(۱)

ـــ ۱ ـــ

يُحَدِّثَ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ وَعِنْدِي امْرَأَةٌ مِنَ الْيَهُودِ، وَهِيَ تَقُولُ لِي: أَشَعَرْتِ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ؟ فَارْتَاعَ النَّبِيُّ ﷺ، وَقَالَ: «إِنَّمَا تُفْتَنُ الْيَهُودُ»، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَلَبِثْنَا لَيَالِيَ، ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «هَلْ شَعَرْتِ أَنَّهُ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ؟»، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَسَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَعْدَ ذٰلِكَ يَسْتَعِيذُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ.

عروہ بن زبیر کا بیان ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے، اُس وقت ایک یہودی عورت میرے پاس بیٹھی تھی اور مجھ سے کہہ رہی تھی: کیا

تم جانتی ہو کہ تمھیں قبروں میں[1] عذاب دیا جائے گا؟[2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو آپ گھبرا گئے اور فرمایا: عذاب اِنھی یہودیوں کو ہو گا[3]۔ سیدہ نے بتایا کہ پھر زیادہ دن نہیں گزرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کیا تم جانتی ہو کہ مجھ پر یہ وحی کی گئی ہے کہ تمھیں قبروں میں عذاب دیا جائے گا[4]؟ سیدہ کہتی ہیں: اِس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے (ہمیشہ) قبر کے عذاب سے (اللہ کی) پناہ مانگتے ہوئے سنا ہے۔

۱۔ یہاں اور اِس سے آگے 'قبر' کا لفظ جہاں بھی آیا ہے، اُس سے مراد اِسی زمین میں وہ جگہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اُن نفوس کو رکھنے کا اہتمام کیا ہے، جنھیں ملائکہ موت کے وقت انسان کے اِس مادی جسم سے الگ کر کے اپنی تحویل میں لے لیتے ہیں۔ اِس کا علم اللہ تعالیٰ نے انسان کو نہیں دیا، لہٰذا روایتوں میں وہی لفظ اختیار کر لیا گیا ہے جس سے اُس زمانے کے لوگ واقف تھے، اِس لیے کہ وہ اپنے مُردوں کو بالعموم قبروں ہی میں دفن کرتے تھے۔

۲۔ اصل میں لفظ 'تُفْتَنُوْنَ' آیا ہے۔ عرب جاہلیت کی زبان میں یہ لفظ جس طرح آزمانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اُسی طرح عذاب دینے کے معنی میں بھی آ جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اِس کی مثال سورۂ بروج (۸۵) کی آیت ۱۰ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ چنانچہ آیت کے الفاظ 'اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ' کے تحت زمخشری نے لکھا ہے: 'ومعنى فتنوهم: عذبوهم بالنار وأحرقوهم' (الکشاف ۴/ ۷۳۲)۔

یہودی عورت کی پوری بات غالباً یہ تھی: اللہ تمھیں قبر کے عذاب سے بچائے۔ کیا تم جانتی ہو کہ تمھیں قبروں میں عذاب دیا جائے گا؟ آگے کی روایتوں سے واضح ہے کہ بعض راویوں نے پہلا اور بعض نے صرف دوسرا جملہ روایت کیا ہے۔ تاہم دونوں کو ملا کر دیکھا جائے تو اِن میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

۳۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری بات یہاں نقل نہیں ہوئی، بلکہ صرف وہ جملہ نقل ہو گیا ہے جو غلط فہمی کا باعث بن سکتا ہے۔ اِس طرح کے تصرفات روایتوں میں بالعموم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ آگے کی روایتوں کو ملا کر دیکھیے تو آپ نے غالباً فرمایا تھا: ''میں اِس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ یہود کہتے ہیں تو یہ عذاب پھر اُنھی کو ہو گا۔ اُنھوں نے جھوٹی بات کہی ہے، بلکہ وہ تو اللہ پر اِس سے بڑھ کر جھوٹ باندھتے رہے ہیں۔ قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں ہو گا''۔

۴۔ اِس سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو راے اِس سے پہلے دی، وہ صحیح نہیں تھی۔ اِس

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ سورۂ مومن (۴۰) میں آل فرعون کے لیے قیامت سے پہلے جس ذہنی عذاب کا ذکر صراحت کے ساتھ ہوا ہے، اُسے غالباً آپ اُنھی کے ساتھ خاص سمجھتے تھے۔اِس پر تعجب نہیں ہونا چاہیے۔اِس طرح کی غلط فہمی جس طرح دوسرے اہل علم کو ہو سکتی ہے، اُسی طرح پیغمبر کو بھی ہو سکتی ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ اُس کی لازماً تصحیح کر دیتے ہیں، جس طرح کہ اِس واقعے میں بھی کر دی گئی ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ قرآن میں جو کچھ فرعونیوں کے لیے بیان ہوا ہے، وہی اُن سب لوگوں کے ساتھ بھی یقیناً ہو گا، جن کا معاملہ ایسا واضح ہو، جیسا کہ فرعونیوں کا تھا۔اِس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کا حساب پوچھنے اور اُن کے خیر و شر کا فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نیکوکاروں میں سے خاص کر سابقین کے لیے بھی یہی قاعدہ ہے۔ چنانچہ راہ حق کے شہیدوں کے بارے میں آل عمران (۳) کی آیت ۱۶۹ میں فرمایا ہے: 'اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ'' ''وہ اپنے پروردگار کے حضور میں زندہ ہیں، اُنھیں روزی مل رہی ہے۔''

اِن دو کے بعد پھر وہی لوگ رہ جاتے ہیں، جن کے لیے قرآن نے سورۂ توبہ (۹) کی آیت ۱۰۲ میں 'خَلَطُوۡا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا' (اُنھوں نے ملے جلے عمل کیے تھے، کچھ بھلے اور کچھ برے) کی تعبیر اختیار کی ہے۔اِن سے متعلق انصاف کا تقاضا یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی عذاب و ثواب کے بغیر قبروں میں سوتے رہیں، یہاں تک کہ قیامت کے دن اُٹھائے جائیں اور حساب کتاب سے گزرنے کے بعد ہی اپنے انجام کو پہنچیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

متن کے حواشی

۱۔اِس واقعے کا متن مسند احمد، رقم ۲۴۵۸۲ سے لیا گیا ہے۔اِس کی تنہا راوی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں اور اِس کے متابعات جن مراجع میں نقل ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: مسند احمد، رقم ۲۶۰۰۸، ۲۶۱۰۵۔ صحیح مسلم، رقم ۵۸۴۔السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۲۰۶۴۔السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۲۲۰۲۔ مسند شامیین، طبرانی، رقم ۳۰۸۸۔اثبات عذاب القبر، بیہقی، رقم ۱۰۱۔

— ۲ —

عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَتْ١ سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُوْلُ: جَاءَتْنِي

يَهُودِيَّةٌ تَسْأَلُنِي، فَقَالَتْ: أَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَلَمَّا جَاءَ النَّبِيُّ ﷺ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَنُعَذَّبُ فِي الْقُبُورِ؟[2] قَالَ: [«إِنِّي[3]] عَائِذٌ بِاللّٰهِ[4] [مِنْ ذٰلِكَ»،[5]] فَرَكِبَ [رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ غَدَاةٍ[6]] مَرْكَبًا، فَخَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَخَرَجْتُ، فَكُنْتُ بَيْنَ الْحُجَرِ مَعَ النِّسْوَةِ، فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ مَرْكَبِهِ [سَرِيعًا،[7]] [فَمَرَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ ظَهْرَانَيِ الْحُجَرِ[8]] فَأَتَى مُصَلَّاهُ [الَّذِي كَانَ يُصَلِّي فِيهِ،[9]] [ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي،[10]] فَصَلَّى النَّاسُ وَرَاءَهُ، فَقَامَ، فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ، فَأَطَالَ الرُّكُوعَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ سَجَدَ، فَأَطَالَ السُّجُودَ، ثُمَّ قَامَ أَيْسَرَ مِنْ قِيَامِهِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ أَيْسَرَ مِنْ رُكُوعِهِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ قَامَ أَيْسَرَ مِنْ قِيَامِهِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ أَيْسَرَ مِنْ رُكُوعِهِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ سَجَدَ أَيْسَرَ مِنْ سُجُودِهِ الْأَوَّلِ، فَكَانَتْ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ، فَتَجَلَّتِ الشَّمْسُ، [فَلَمَّا انْصَرَفَ قَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ،[11]] فَقَالَ [فِيمَا يَقُولُ[12]] «إِنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ كَفِتْنَةِ الدَّجَّالِ»[13]، [ثُمَّ أَمَرَهُمْ أَنْ يَتَعَوَّذُوا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ،[14]] قَالَتْ: فَسَمِعْتُهُ بَعْدُ يَسْتَعِيذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ. وَعَنْهَا فِي لَفْظٍ،[15] أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَسْتَعِيذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ،[16] وَمِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ، وَقَالَ: «إِنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي قُبُورِكُمْ».

عمرہ بنت عبد الرحمٰن سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں کہ سیدہ عائشہ کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا

ہے کہ میرے پاس ایک یہودی عورت کچھ مانگنے کے لیے آئی اور مجھ سے کہنے لگی: اللہ تمھیں قبر کے عذاب سے بچائے۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول، کیا ہمیں قبروں میں عذاب دیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: میں اِس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں[1]۔ پھر ایک دن کیا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر سوار ہوئے، اِسی دوران میں سورج گرہن ہو گیا، میں بھی نکلی اور ابھی دوسری عورتوں کے ساتھ آپ کے حجروں کے درمیان ہی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری سے اتر کر تیزی سے آئے، پھر حجروں کے سامنے سے گزر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مصلے کے پاس، جہاں آپ نماز پڑھاتے تھے، پہنچے۔ پھر نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے دیکھا تو وہ بھی آپ کے پیچھے نماز میں شامل ہو گئے۔ یہ نماز اِس طرح ہوئی کہ آپ دیر تک قیام میں کھڑے رہے، پھر رکوع کیا تو کافی دیر تک رکوع ہی کی حالت میں رہے، پھر رکوع سے اُٹھے تو ایک مرتبہ پھر اُسی طرح لمبا قیام کیا، پھر اُسی طرح لمبا رکوع کیا، پھر سر اٹھایا اور قومے میں بھی دیر تک کھڑے رہے، پھر سجدہ کیا اور کافی دیر تک سجود ہی میں رہے، پھر دوسری رکعت کے لیے اُٹھے تو آپ کا قیام پہلی رکعت کی نسبت سے کم تھا، پھر آپ نے رکوع کیا تو یہ بھی پہلی رکعت کے مقابلے میں ہلکا تھا، پھر اٹھے تو قومہ بھی اِسی طرح پہلی رکعت کی نسبت سے مختصر تھا، پھر دوبارہ رکوع میں چلے گئے اور یہ بھی پہلی رکعت کے رکوع سے ہلکا تھا۔ پھر آپ نے سجدہ کیا تو یہ سجود بھی پہلی رکعت کی طرح لمبا نہیں تھا۔ اِس طرح چار رکوع اور چار سجدے ہوئے[2] اور اِسی دوران میں سورج بھی روشن ہو گیا۔ اِس طرح نماز پڑھ کر جب آپ پلٹے تو منبر پر بیٹھ گئے اور خطبے میں جو کچھ ارشاد فرمایا، اُس میں یہ بات بھی تھی کہ تم لوگ قبروں میں اُسی طرح آزمائے جاؤ گے،[3] جس طرح دجال کے فتنے میں آزمائے جاؤ گے[4]۔ پھر آپ نے لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ قبر کے عذاب سے (اللہ کی) پناہ مانگا کریں۔ سیدہ کہتی ہیں کہ اِس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے قبر کے عذاب سے ہمیشہ اللہ کی پناہ مانگتے ہوئے سنا ہے۔

سیدہ ہی سے بعض طریقوں میں یہ الفاظ بھی نقل ہوئے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عذاب قبر

سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے اور دجال کے فتنے سے بھی اور آپ کا ارشاد ہے کہ بلا شبہ تمھیں قبروں میں آزمایا جائے گا۔

۱۔ یہ جملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جس جواب کا حصہ ہے، اُس کی وضاحت ہم پیچھے کر چکے ہیں۔

۲۔ اِس سے معلوم ہوا کہ نماز کے ارکان نوافل میں بار بار دہرائے بھی جا سکتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس موقع پر یہ غالباً اِس لیے کیا کہ نماز لمبی ہو اور دعا و انابت کے اِنھی لمحات میں سورج گرہن ختم ہو جائے۔

۳۔ یہ آزمایش یا تکلیف، ظاہر ہے کہ اُنھی کو ہو گی جو اِس کے مستحق ہوں گے اور جن کا معاملہ، جیسا کہ پیچھے بیان ہوا، فرعونیوں کی طرح ایسا واضح ہو گا کہ اُن کے لیے کسی حساب کتاب کی ضرورت نہیں ہو گی۔ پھر یہ بات بھی قرآن سے معلوم ہوتی ہے کہ جو کچھ بھی ہو گا، بالکل اُسی طرح نیند کی سی حالت میں ہو گا، جس طرح ہم اپنے خوابوں میں بارہا غمی اور خوشی کی بعض حالتوں سے دوچار ہوتے ہیں۔ چنانچہ سورۂ یٰس (۳۶) آیت ۵۲ میں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو یہی کہیں گے کہ 'يٰوَيۡلَنَا مَنۡۢ بَعَثَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا' (ہائے ہماری بدبختی، یہ ہم کو ہمارے سونے کی جگہ سے کس نے اُٹھا دیا ہے)؟

۴۔ دوسری روایتوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ اُس شخص کے فتنے کا ذکر ہے جو اپنے مسیح ہونے کا جھوٹا دعویٰ کر کے لوگوں کو فریب دے گا۔ اِسے 'المسیح الدجال' اِسی بنا پر کہا گیا ہے۔ یہ بالکل قرین قیاس ہے، اِس لیے کہ یہود بھی مسیح کا انتظار کر رہے ہیں اور مسیح علیہ السلام کی دوبارہ آمد کا تصور مسیحی اقوام کے اندر بھی موجود رہا ہے۔ چنانچہ کسی شخص کا اِس طرح کے کسی دعوے کے ساتھ اٹھ کھڑا ہونا کسی طرح بھی مستبعد نہیں ہے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس واقعے کا متن اصلاً مسند احمد، رقم ۲۴۲۶۸ سے لیا گیا ہے۔ اِس کی تنہا راوی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں اور اِس کے متابعات جن مراجع میں نقل ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: موطا مالک، رقم ۲۰۰۔ مصنف عبد الرزاق، رقم ۴۹۲۴۔ مسند حمیدی، رقم ۱۷۹، ۱۸۰۔ سنن دارمی، رقم ۱۵۶۸۔ صحیح بخاری، رقم ۱۰۵۰، ۱۰۵۵۔ صحیح مسلم، رقم ۹۰۳۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۲۰۶۵، ۵۵۰۴۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۱۸۷۳، ۱۸۷۴، ۲۲۰۳۔ صحیح ابن حبان، رقم ۲۸۴۰۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۶۳۰۸، ۶۳۰۹۔ اثبات عذاب القبر،

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بیہقی، رقم ۱۷۸۱۔

۲۔ صحیح ابن حبان، رقم ۲۸۴۰ میں یہاں سیدہ کا یہ سوال اِن الفاظ میں نقل ہوا ہے کہ 'إِنَّ النَّاسَ لَيُفْتَنُونَ فِي الْقَبْرِ؟'، ''کیا واقعی لوگوں کو قبر میں عذاب دیا جائے گا؟''۔

۳۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۶۳۰۹۔

۴۔ مصنف عبد الرزاق، رقم ۶۷۴۴ میں یہاں آپ کے اِن الفاظ کے بجاے '«كَذَبَتْ يَهُودُ»' ''یہود نے جھوٹ بولا ہے'' کے الفاظ آئے ہیں۔

۵۔ مسند حمیدی، رقم ۱۷۹۔

۶۔ موطا مالک، رقم ۲۰۰۔

۷۔ مسند حمیدی، رقم ۱۷۹۔

۸۔ صحیح بخاری، رقم ۱۰۵۵۔

۹۔ صحیح مسلم، رقم ۹۰۳۔

۱۰۔ صحیح بخاری، رقم ۱۰۵۰۔

۱۱۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۱۴۷۵۔

۱۲۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۱۴۷۵۔

۱۳۔ صحیح مسلم، رقم ۹۰۳ میں یہاں یہ الفاظ آئے ہیں کہ: '«إِنِّي قَدْ رَأَيْتُكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ كَفِتْنَةِ الدَّجَّالِ»'، ''بلاشبہ، تم لوگوں کو میں قبروں میں اُسی طرح آزمائے جاتے ہوئے دیکھ چکا ہوں، جس طرح دجال کے فتنے میں آزمایش ہو گی''۔ جب کہ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۱۴۷۵ میں یہاں یہ الفاظ روایت ہوئے ہیں: '«إِنَّ النَّاسَ يُفْتَنُونَ فِي قُبُورِهِمْ كَفِتْنَةِ الدَّجَّالِ»'، ''بے شک، لوگوں کو اُن کی قبروں میں اُسی طرح آزمایا جائے گا، جس طرح دجال کے فتنے میں آزمایش ہو گی''۔

۱۴۔ صحیح بخاری، رقم ۱۰۵۰۔

۱۵۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۵۵۰۴۔

۱۶۔ آپ کا یہ اُسوہ ام خالد بنت خالد بن سعید بن عاص سے بھی روایت ہوا ہے، السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۷۶۷۳ میں وہ کہتی ہیں: 'سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَسْتَعِيذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ'، ''نبی صلی اللہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

علیہ وسلم کو میں نے عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہوئے سنا ہے''۔اِس شاہد کے متابعات اِن مراجع میں دیکھ لیے جاسکتے ہیں: احادیث اسماعیل بن جعفر، رقم ۴۵۱۔ مسند حمیدی، رقم ۳۳۸۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۹۱۴۶۔ مسند اسحاق، رقم ۲۲۱۶۔ مسند احمد، رقم ۲۷۰۵۶، ۲۷۰۵۸۔ صحیح بخاری، رقم ۱۳۷۲، ۶۳۶۴۔ البعث، ابن ابی داؤد، رقم ۹۔ صحیح ابن حبان، رقم ۱۰۰۱۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۲۴۲۔ مستدرک حاکم، رقم ۶۹۲۹۔ اثبات عذاب القبر، بیہقی، رقم ۱۹۹۔ اِس کے بعض طرق، مثلاً مسند حمیدی، رقم ۳۳۸ میں یہاں 'یَسْتَعِیذُ' کے بجاے 'یَتَعَوَّذُ' کا لفظ نقل ہوا ہے۔ معنی کے اعتبار سے دونوں مترادف ہیں۔

— ۳ —

يُحَدِّثُ سَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ عَائِشَةَ أَيْضًا أَنَّ يَهُودِيَّةً كَانَتْ تَخْدُمُهَا، فَلَا تَصْنَعُ عَائِشَةُ إِلَيْهَا شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوفِ، إِلَّا قَالَتْ لَهَا الْيَهُودِيَّةُ: وَقَاكِ اللّٰهُ عَذَابَ الْقَبْرِ، قَالَتْ: فَدَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَيَّ، فَقُلْتُ: يَارَسُولَ اللّٰهِ، هَلْ لِلْقَبْرِ عَذَابٌ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: «لَا، وَعَمَّ ذَاكَ؟» قَالَتْ: هَذِهِ الْيَهُودِيَّةُ لَا نَصْنَعُ إِلَيْهَا مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا، إِلَّا قَالَتْ: وَقَاكِ اللّٰهُ عَذَابَ الْقَبْرِ، قَالَ: «كَذَبَتْ يَهُودُ، وَهُمْ عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ أَكْذَبُ، لَا عَذَابَ دُونَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ»، قَالَتْ: ثُمَّ مَكَثَ بَعْدَ ذَاكَ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَمْكُثَ، فَخَرَجَ ذَاتَ يَوْمٍ نِصْفَ النَّهَارِ مُشْتَمِلًا بِثَوْبِهِ، مُحْمَرَّةً عَيْنَاهُ، وَهُوَ يُنَادِي بِأَعْلَى صَوْتِهِ: «أَيُّهَا النَّاسُ، أَظَلَّتْكُمُ الْفِتَنُ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، أَيُّهَا النَّاسُ، لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ بَكَيْتُمْ كَثِيرًا وَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا، أَيُّهَا النَّاسُ، اسْتَعِيذُوا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَإِنَّ عَذَابَ الْقَبْرِ حَقٌّ».

سیدہ عائشہ سے سعید بن عمرو بھی یہی واقعہ اِس طرح بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی عورت اُن کی خدمت کیا کرتی تھی۔ سیدہ جب اُس کے ساتھ کوئی بھلائی کرتیں تو وہ اُنھیں یہ دعا دیتی تھی کہ اللہ آپ کو قبر کے عذاب سے محفوظ رکھے۔ سیدہ کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اِس کے بعد میرے ہاں تشریف لائے تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ، قیامت کے دن سے پہلے کیا قبر کا عذاب بھی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، لیکن تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو؟ سیدہ نے عرض کیا: اِس یہودی عورت کے ساتھ ہم جب بھی کوئی بھلائی کرتے ہیں تو یہ کہتی ہے کہ اللہ آپ کو عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔ آپ نے فرمایا: یہود نے جھوٹ بولا ہے، یہی نہیں، وہ تو اللہ تعالیٰ پر اِس سے بڑھ کر جھوٹ باندھتے رہے ہیں۔ قیامت سے پہلے کسی طرح کا کوئی عذاب نہیں ہے[1]۔ سیدہ کہتی ہیں: پھر جب تک اللہ کی مشیت تھی، آپ اِسی طرح رہے، یہاں تک کہ کچھ عرصے کے بعد ایک دن دوپہر کے وقت چادر لپیٹے ہوئے باہر نکلے، آپ کی آنکھیں اُس وقت سرخ ہو رہی تھیں اور آپ بلند آواز سے پکار کر فرما رہے تھے: لوگو، تم پر فتنے شب تاریک کے ٹکڑوں کی طرح چھا گئے ہیں[2]۔ لوگو، جو میں جانتا ہوں، اگر تم جان لیتے تو بہت روتے اور کم ہی ہنستے۔ لوگو، قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگا کرو، اِس لیے کہ قبر کا عذاب برحق ہے[3]۔

۱۔ پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ راے صحیح نہیں تھی، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِس کی تصحیح کر دی گئی۔

۲۔ یہ غالباً اُن فتنوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد دوچار ہوئے۔

۳۔ یہ اُسی خطبے کا حصہ ہے جو آپ نے سورج گرہن کے موقع پر نماز پڑھانے کے بعد دیا۔ راوی اصل موضوع سے متعلق بات بیان کر دیتے اور واقعے کی تفصیلات بار ہا اِسی طریقے سے حذف کر دیتے ہیں۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس واقعے کا متن مسند احمد، رقم ۲۴۵۲۰ سے لیا گیا ہے۔ اِس کی تنہا راوی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

اِس متن کا تنہا ماخذ بھی یہی ہے۔

— ۴ —

عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ أَيْضًا، قَالَتْ[1] دَخَلَتْ عَلَيْهَا [عَجُوزٌ[2]] يَهُودِيَّةٌ اسْتَوْهَبَتْهَا طِيبًا، فَوَهَبَتْ لَهَا عَائِشَةُ، فَقَالَتْ: أَجَارَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، قَالَتْ: فَوَقَعَ فِي نَفْسِي مِنْ ذٰلِكَ، حَتَّى جَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، قَالَتْ: فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ، قُلْتُ: يَارَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ لِلْقَبْرِ عَذَابًا؟ قَالَ: «نَعَمْ، [وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ[3]] إِنَّهُمْ لَيُعَذَّبُونَ فِي قُبُورِهِمْ عَذَابًا تَسْمَعُهُ الْبَهَائِمُ».

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

سیدہ عائشہ ہی سے مسروق روایت کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں کہ اُن کے پاس ایک بوڑھی یہودی عورت آئی، جس نے اُن سے خوشبو مانگی۔ سیدہ نے اُسے دے دی تو اُس نے اُن کو دعا دی کہ اللہ تمھیں قبر کے عذاب سے محفوظ رکھے۔ سیدہ کہتی ہیں کہ اُس کی اِس بات سے میرے دل میں کچھ کھٹک پیدا ہوئی، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ سے اِس واقعے کا ذکر کیا اور پوچھا: یارسول اللہ، کیا قبر میں بھی عذاب ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں[1]، اُس ذات کی قسم، جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، قبر والوں کو تو اُن کی قبروں میں ایسا عذاب ہوتا ہے، جسے چوپایے بھی سنتے ہیں[2]۔

۱۔ واقعات کے بیان میں راوی حضرات کس طرح کے تصرفات کر دیتے ہیں، یہ روایت اُس کی نمایاں مثال ہے۔ پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے انکار فرمایا، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصحیح کے بعد وہ بات کہی جو آگے بیان ہوئی ہے، لیکن راوی نے اِس کو اِس طرح بیان کیا ہے کہ گویا سنتے ہی آپ نے یہودی عورت کی بات کی تصویب فرما دی۔

۲۔اِس پر تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ جانوروں کے حواس بعض معاملات میں ایسے ہی غیر معمولی ہوتے ہیں۔

متن کے حواشی

۱۔اِس روایت کا متن اصلاً مسند احمد، رقم ۲۴۱۷۸ سے لیا گیا ہے۔اِس کی تنہا راوی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں اوراِس کے باقی طرق اِن مصادر میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۱۲۰۲۵، ۱۲۰۲۶۔ مسند اسحاق، رقم ۱۴۱۵، ۱۴۱۶۔ مسند احمد، رقم ۲۵۷۰۶۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۲۰۶۶۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۲۲۰۴۔ شرح مشکل الآثار، طحاوی، رقم ۵۱۹۹۔

مسند احمد، رقم ۲۵۴۱۹ میں سیدہ عائشہ ہی سے مسروق کی ایک روایت اِس باب میں اِس طرح نقل ہوئی ہے: ’أَنَّ یَهُودِیَّةً دَخَلَتْ عَلَیْهَا، فَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ، فَقَالَتْ لَهَا: أَعَاذَكِ اللهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ. فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ: [أَحَقٌّ عَذَابُ الْقَبْرِ؟*] فَقَالَ: «نَعَمْ، عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ» قَالَتْ عَائِشَةُ: فَمَا رَأَیْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ یُصَلِّي صَلَاةً بَعْدُ إِلَّا تَعَوَّذَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ‘، ’’سیدہ عائشہ کے ہاں ایک یہودی عورت آئی، اُس نے قبر کے عذاب کا ذکر کیا اور سیدہ سے کہا: اللہ تمھیں قبر کے عذاب سے اپنی پناہ میں رکھے۔ سیدہ عائشہ نے یہ بات سنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبر کے عذاب کے بارے میں پوچھا اور عرض کیا: کیا یہ بات سچ ہے کہ قبر میں عذاب ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، قبر کا عذاب، بلا شبہ برحق ہے۔ سیدہ کہتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو نماز بھی پڑھتے، اُس میں قبر کے عذاب سے پناہ مانگتے تھے۔‘‘

مذکورہ بالا متن کے باقی طرق اِن مراجع میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: مسند طیالسی، رقم ۱۵۱۴۔ مسند اسحاق، رقم ۱۴۷۶۔ صحیح بخاری، رقم ۱۳۷۲۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۱۳۰۸۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۱۲۳۲۔ حدیث السرّاج، رقم ۱۹۰۶۔ اثبات عذاب القبر، بیہقی، رقم ۱۷۵۔

اِس باب میں سیدہ عائشہ ہی سے مسروق نے ایک واقعہ تفصیلات کے معمولی فرق کے ساتھ بیان کیا ہے جو صحیح مسلم، رقم ۵۸۶ میں اِس طرح نقل ہوا ہے: ’عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: دَخَلَتْ عَلَيَّ عَجُوزَانِ مِنْ

* مسند اسحاق، رقم ۱۴۷۶۔

عُجُزِ يَهُودِ الْمَدِينَةِ، فَقَالَتَا: إِنَّ أَهْلَ الْقُبُورِ يُعَذَّبُونَ فِي قُبُورِهِمْ، قَالَتْ: فَكَذَّبْتُهُمَا وَلَمْ أُنْعِمْ أَنْ أُصَدِّقَهُمَا، فَخَرَجَتَا وَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَقُلْتُ لَهُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ عَجُوزَيْنِ مِنْ عُجُزِ يَهُودِ الْمَدِينَةِ دَخَلَتَا عَلَيَّ، فَزَعَمَتَا أَنَّ أَهْلَ الْقُبُورِ يُعَذَّبُونَ فِي قُبُورِهِمْ، فَقَالَ: «صَدَقَتَا، إِنَّهُمْ يُعَذَّبُونَ عَذَابًا تَسْمَعُهُ الْبَهَائِمُ»، قَالَتْ: فَمَا رَأَيْتُهُ بَعْدُ فِي صَلَاةٍ إِلَّا يَتَعَوَّذُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ‘، ”سیدہ عائشہ کا بیان ہے کہ مدینہ کے یہود کی بوڑھیوں میں سے دو بوڑھی عورتیں میرے گھر پر آئیں اور کہنے لگیں کہ قبر والوں کو اُن کی قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے۔ سیدہ کہتی ہیں کہ میں نے اُن کو جھٹلا دیا اور اِسے پسند نہیں کیا کہ اُن کی تصدیق کروں۔ پھر وہ دونوں چلی گئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو میں نے آپ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول، مدینہ کی یہودی بوڑھیوں میں سے دو بوڑھی عورتیں میرے پاس آئی تھیں، اُن کا خیال تھا کہ قبر والوں کو اُن کی قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے۔ آپ نے سنا تو فرمایا: سچ کہتی ہیں، اہل قبور کو ایسا عذاب دیا جاتا ہے کہ اُسے تمام چوپایے سنتے ہیں۔ سیدہ کہتی ہیں کہ اِس کے بعد میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ ہر نماز میں قبر کے عذاب سے پناہ مانگتے تھے“۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اِس واقعے کے متابعات جن مراجع میں نقل ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: مسند اسحاق، رقم ۱۴۱۴۔ صحیح بخاری، رقم ۶۳۶۶۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۲۰۶۷۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۲۲۰۵۔

۲۔ شرح مشکل الآثار، طحاوی، رقم ۵۱۹۹۔

۳۔ مسند احمد، رقم ۲۵۷۰۶۔

— ۵ —

عَنْ ذَكْوَانَ، عَنْ عَائِشَةَ أَيْضًا، قَالَتْ:[1] جَاءَتْ يَهُودِيَّةٌ، فَاسْتَطْعَمَتْ عَلَى بَابِي، فَقَالَتْ: أَطْعِمُونِي، أَعَاذَكُمُ اللّٰهُ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ، وَمِنْ فِتْنَةِ عَذَابِ الْقَبْرِ. قَالَتْ: فَلَمْ أَزَلْ أَحْبِسُهَا حَتَّى جَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَا تَقُولُ هٰذِهِ الْيَهُودِيَّةُ؟ قَالَ: «وَمَا تَقُولُ؟» قُلْتُ:

تَقُولُ: أَعَاذَكُمُ اللّٰهُ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ، وَمِنْ فِتْنَةِ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَرَفَعَ يَدَيْهِ مَدًّا يَسْتَعِيذُ بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ، وَمِنْ فِتْنَةِ عَذَابِ الْقَبْرِ، ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا فِتْنَةُ الدَّجَّالِ: فَإِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ إِلَّا قَدْ حَذَّرَ أُمَّتَهُ، وَسَأُحَذِّرُكُمُوهُ تَحْذِيرًا لَمْ يُحَذِّرْهُ نَبِيٌّ أُمَّتَهُ، إِنَّهُ أَعْوَرُ، وَاللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَيْسَ بِأَعْوَرَ، مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ، يَقْرَؤُهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ. فَأَمَّا فِتْنَةُ الْقَبْرِ: فَبِي تُفْتَنُونَ، وَعَنِّي تُسْأَلُونَ، فَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ الصَّالِحُ، أُجْلِسَ فِي قَبْرِهِ غَيْرَ فَزِعٍ، وَلَا مَشْعُوفٍ، ثُمَّ يُقَالُ لَهُ: فِيمَ كُنْتَ؟ فَيَقُولُ: فِي الْإِسْلَامِ؟ فَيُقَالُ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِي كَانَ فِيكُمْ؟ فَيَقُولُ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ، جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَصَدَّقْنَاهُ، فَيُفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ قِبَلَ النَّارِ، فَيَنْظُرُ إِلَيْهَا يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا، فَيُقَالُ لَهُ: انْظُرْ إِلَى مَا وَقَاكَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ، ثُمَّ يُفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ إِلَى الْجَنَّةِ، فَيَنْظُرُ إِلَى زَهْرَتِهَا وَمَا فِيهَا، فَيُقَالُ لَهُ: هٰذَا مَقْعَدُكَ مِنْهَا، وَيُقَالُ: عَلَى الْيَقِينِ كُنْتَ، وَعَلَيْهِ مِتَّ، وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ. وَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ السَّوْءُ، أُجْلِسَ فِي قَبْرِهِ فَزِعًا مَشْعُوفًا، فَيُقَالُ لَهُ: فِيمَ كُنْتَ؟ فَيَقُولُ: لَا أَدْرِي، فَيُقَالُ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِي كَانَ فِيكُمْ؟ فَيَقُولُ: سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ قَوْلًا، فَقُلْتُ كَمَا قَالُوا، فَتُفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ قِبَلَ الْجَنَّةِ، فَيَنْظُرُ إِلَى زَهْرَتِهَا وَمَا فِيهَا، فَيُقَالُ لَهُ: انْظُرْ إِلَى مَا صَرَفَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَنْكَ، ثُمَّ يُفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ قِبَلَ النَّارِ، فَيَنْظُرُ إِلَيْهَا يَحْطِمُ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بَعْضُهَا بَعْضًا، وَيُقَالُ لَهُ: هٰذَا مَقْعَدُكَ مِنْهَا، كُنْتَ عَلَى الشَّكِّ، وَعَلَيْهِ مِتَّ، وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ يُعَذَّبُ».

ذکوان سیدہ عائشہ ہی سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں کہ ایک یہودی عورت میرے دروازے پر آئی اور کھانا مانگتے ہوئے کہنے لگی: اللہ تم لوگوں کو دجال سے اور عذاب قبر کی آزمایش سے اپنی پناہ میں رکھے، مجھے کھانے کو کچھ دیں۔ سیدہ کہتی ہیں کہ اُس کی یہ بات سننے کے بعد میں نے اُس عورت کو اپنے پاس روک لیا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول، یہ یہودی عورت کیا کہہ رہی ہے[1]؟ آپ نے پوچھا: کیا کہہ رہی ہے؟ میں نے کہا: یہ کہہ رہی ہے کہ اللہ تمھیں دجال کی آزمایش[2] اور عذاب قبر کی آزمایش سے اپنی پناہ میں رکھے۔ سیدہ عائشہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو آپ کھڑے ہو گئے، آپ نے اپنے ہاتھ اُٹھائے اور اُنھیں پھیلا کر دجال کی آزمایش اور عذاب قبر کی آزمایش سے اللہ کی پناہ مانگنے لگے، پھر فرمایا: فتنۂ دجال کا معاملہ تو یہ ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی امت کو اِس سے خبردار نہ کیا ہو، اور میں بھی اِس کے بارے میں تم لوگوں کو اِس درجے میں متنبہ کروں گا کہ کسی نبی نے اپنی امت کو نہ کیا ہو گا۔ یاد رکھو، وہ ایک آنکھ سے اندھا ہو گا اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہو سکتا[3]۔ اُس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لفظ 'کافر' لکھا ہو گا، جسے ہر بندۂ مومن پڑھ لے گا[4]۔ رہی قبر کی آزمایش تو جان رکھو کہ (میرے مخاطبین کی حیثیت سے) تم لوگوں کی آزمایش مجھی سے ہو گی اور تم سے میرے ہی بارے میں پوچھا جائے گا[5]۔ چنانچہ مرنے والا نیک آدمی ہوا تو اُس کو قبر میں اِس طرح بٹھایا جائے گا کہ اُس پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ گھبراہٹ[6]۔ پھر پوچھا جائے گا: تم کس دین میں رہے[7]؟ وہ کہے گا: اسلام میں۔ پھر سوال کیا جائے گا: اِس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جو تمھارے درمیان موجود تھا[8]؟ وہ کہے گا: یہ اللہ کے رسول محمد ہیں جو اُس کی طرف سے نہایت واضح نشانیاں لے کر ہمارے پاس آئے تو ہم نے اُن کی تصدیق کی ہے۔ اِس

پر جہنم کی طرف ایک دروازہ اُس کے لیے کھولا جائے گا، جس سے وہ یہ منظر دیکھے گا کہ آگ آگ کو روند رہی ہے۔ اُس سے کہا جائے گا: اِسے دیکھ لو، خداے عزوجل نے جس سے تمھیں بچا لیا ہے۔ پھر اُس کے لیے ایک روزن جنت کی طرف کھولا جائے گا اور وہ اُس کی آب و تاب اور اُس کی نعمتیں دیکھے گا۔ اُس سے کہا جائے گا: یہ اِس میں تیرا ٹھکانا ہے اور یہ بھی کہ تو یقین پر تھا، اِسی پر تو دنیا سے رخصت ہوا اور اللہ نے چاہا تو اِسی پر تجھے اٹھایا جائے گا۔ اِس کے برخلاف آدمی برا ہوا تو اُس کو جب قبر میں بٹھایا جائے گا تو وہ گھبرایا ہوا اور بدحواس ہو گا۔ پھر اُس سے پوچھا جائے گا: تم کس دین میں رہے؟ وہ کہے گا: میں کچھ نہیں جانتا۔ پھر سوال کیا جائے گا: اِس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جو تمھارے درمیان موجود تھا؟ وہ کہے گا: اِس کے متعلق میں نے ایک بات لوگوں کو کہتے ہوئے سنا، بس وہی میں نے بھی کہہ دی تھی۔ پھر اُس کے لیے ایک روزن جنت کی طرف کھولا جائے گا اور وہ اُس کی آب و تاب اور اُس کی نعمتیں دیکھے گا۔ اُسے کہا جائے گا: اُسے دیکھ لو جسے اللہ نے تجھ سے پھیر دیا ہے۔ پھر اُس کے لیے ایک روزن جہنم کی طرف کھولا جائے گا، جس سے وہ یہ منظر دیکھے گا کہ آگ آگ کو روند رہی ہے۔ اُس سے کہا جائے گا: یہ اِس میں تیرا ٹھکانا ہے۔ تو شک ہی میں رہا، اِسی پر دنیا سے رخصت ہوا اور اللہ نے چاہا تو اِسی پر تجھے اٹھایا جائے گا۔ اِس کے بعد اُس کے لیے عذاب شروع ہو جائے گا[9]۔

۱۔ یہ دوسرا واقعہ ہے جو ام المومنین سیدہ عائشہ کے ساتھ پیش آیا۔ اِس موقع پر مانگنے والی یہودی عورت نے ایک نئی بات یہ کی ہے کہ عذاب قبر کے ساتھ دجال کے فتنے کا ذکر بھی کر دیا۔ چنانچہ یہی چیز ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوبارہ رجوع کرنے کا باعث بن گئی ہے۔

۲۔ اِس کی وضاحت ہم پیچھے روایت ۲ کے تحت کر چکے ہیں۔

۳۔ یہ غالباً اِس لیے فرمایا کہ دجال خدائی کا دعویٰ بھی کرے گا۔

۴۔ مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کے لیے اُس کا دجل اِس قدر واضح ہو گا کہ اُس کی پیشانی پر گویا کفر لکھا ہوا دیکھیں گے۔ 'یَقْرَؤُهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ' کے الفاظ اِسی مفہوم پر دلالت کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کافر نہیں پڑھ سکیں گے، مگر مومن پڑھ لیں گے۔ اِس طرح کے اسلوب میں پڑھنا سمجھ لینے کے معنی ہی میں ہو سکتا ہے۔

۵۔ یہ اِس لیے کہ اللہ کے رسول جن قوموں کی طرف مبعوث کیے جاتے ہیں، اُن پر اتمام حجت کے بعد اُن قوموں کے لیے جنت اور جہنم کا فیصلہ اُنھی رسولوں کے ماننے یا نہ ماننے کی بنا پر ہوتا ہے۔ قرآن اِس معاملے میں بالکل صریح ہے۔ چنانچہ فرعونیوں کی طرح اُن کا عذاب بھی دنیا سے شروع ہو جاتا اور برزخ میں بھی اِسی طرح جاری رہتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ اِس کے بعد جب قیامت کا دن آئے گا تو اُنھیں جہنم کے بدترین عذاب میں داخل کر دیا جائے گا۔ اِس کے لیے سورۂ مومن (۴۰) کی آیات کا حوالہ ہم پیچھے نقل کر چکے ہیں۔

۶۔ یعنی اُسی برزخی قبر میں، جہاں لوگوں کی اصل شخصیتیں اُن کے مرنے کے بعد اُن کے اِس دنیوی جسم سے الگ کر کے اُس جسم کے ساتھ رکھی جاتی ہیں، جو اِس وقت تو غیر مرئی ہے، مگر قیامت کے دن ہر شخص کے لیے مرئی ہو جائے گا۔

۷۔ موت کے بعد اِس طرح کے سوالات کا ذکر قرآن میں بھی ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: 'اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا'، ''جن لوگوں کی جان فرشتے اِس حال میں قبض کریں گے کہ (اپنے ایمان کو خطرے میں ڈال کر) وہ اپنی جان پر ظلم کر رہے تھے، اُن سے وہ پوچھیں گے کہ یہ تم کس حال میں پڑے رہے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم تو اِس ملک میں بالکل بے بس تھے۔ فرشتے کہیں گے: کیا خدا کی زمین ایسی وسیع نہ تھی کہ تم اُس میں ہجرت کر جاتے۔ سو یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے'' (النساء ۴: ۹۷)۔

۸۔ اصل میں 'هذا الرجل' کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ اِس بات کا واضح قرینہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت اُس موقع پر ممثل ہو کر اُن کے سامنے آ جائے گی۔ چنانچہ یہ سوال اِس لحاظ سے بالکل موزوں ہو گا کہ اپنے حین حیات وہ اِس سے پہلے آپ کو دیکھ چکے ہوں گے۔

۹۔ یعنی اُسی نوعیت کا عذاب جس کا ذکر سورۂ مومن (۴۰) کی آیات میں فرعونیوں کے حوالے سے ہوا ہے کہ دوزخ میں اُن کا ٹھکانا اُنھیں صبح و شام دکھایا جاتا ہے۔ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ یہ سب نیند کی سی حالت میں ہوتا ہے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس واقعے کا متن مسند احمد، رقم ۲۵۰۸۹ سے لیا گیا ہے۔ اِس کی راوی تنہا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں اور ا

س کے باقی طرق اِن مراجع میں دیکھے جا سکتے ہیں: مسند اسحاق، رقم ۱۱۷۰۔ السنۃ، عبد اللہ بن احمد، رقم ۱۴۴۸۔ الایمان، ابن مندہ، رقم ۱۰۶۷۔ اثبات عذاب القبر، بیہقی، رقم ۲۹۔

سیدہ عائشہ کی اِس روایت کا ایک شاہد ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل ہوا ہے جو سنن ابن ماجہ، رقم ۴۲۶۸ میں دیکھ لیا جا سکتا ہے اور وہی اِس کا تنہا ماخذ ہے۔

بعض اضافوں کے ساتھ اِس کا دوسرا شاہد ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے اِس طرح منقول ہے: 'عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ جِنَازَةً، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ تُبْتَلَى فِي قُبُورِهَا، فَإِذَا الْإِنْسَانُ دُفِنَ فَتَفَرَّقَ عَنْهُ أَصْحَابُهُ، جَاءَهُ مَلَكٌ فِي يَدِهِ مِطْرَاقٌ فَأَقْعَدَهُ، قَالَ: مَا تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ؟ فَإِنْ كَانَ مُؤْمِنًا قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ [وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ] وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، فَيَقُولُ: صَدَقْتَ ثُمَّ يُفْتَحُ لَهُ بَابٌ إِلَى النَّارِ، فَيَقُولُ: هٰذَا كَانَ مَنْزِلُكَ لَوْ كَفَرْتَ بِرَبِّكَ، فَأَمَّا إِذْ آمَنْتَ [بِهِ فَإِنَّ اللّٰهَ أَبْدَلَكَ بِهِ هٰذَا،] فَهٰذَا مَنْزِلُكَ، فَيُفْتَحُ لَهُ بَابٌ إِلَى الْجَنَّةِ، فَيُرِيدُ أَنْ يَنْهَضَ إِلَيْهِ فَيَقُولُ لَهُ: اسْكُنْ وَيُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ، وَإِنْ كَانَ كَافِرًا أَوْ مُنَافِقًا يَقُولُ لَهُ: مَا تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُولُ: لَا أَدْرِي سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا، فَيَقُولُ: لَا دَرَيْتَ، وَلَا تَلَيْتَ، وَلَا اهْتَدَيْتَ، ثُمَّ يُفْتَحُ لَهُ بَابٌ إِلَى الْجَنَّةِ فَيَقُولُ: هٰذَا مَنْزِلُكَ لَوْ آمَنْتَ بِرَبِّكَ، فَأَمَّا إِذْ كَفَرْتَ بِهِ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ أَبْدَلَكَ بِهِ هٰذَا، وَيُفْتَحُ لَهُ بَابٌ إِلَى النَّارِ، ثُمَّ يَقْمَعُهُ [ذٰلِكَ الْمَلَكُ] قَمْعَةً بِالْمِطْرَاقِ يَسْمَعُهَا خَلْقُ اللّٰهِ كُلُّهُمْ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ» فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَا أَحَدٌ يَقُومُ عَلَيْهِ مَلَكٌ فِي يَدِهِ مِطْرَاقٌ إِلَّا هِيلَ عِنْدَ ذٰلِكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ﴾»'[ابراھیم ۱۴:۲۷].

''ابو سعید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازے میں حاضر ہوا، اُس موقع پر آپ نے فرمایا: لوگو، اِس امت کی آزمایش قبروں میں بھی ہو گی۔ جب انسان کو دفن کر کے اُس کے ساتھی اُس سے رخصت ہو جاتے ہیں تو ایک فرشتہ، جس کے ہاتھ میں ایک ہتھوڑا ہوتا ہے، آ کر اُسے بٹھا دیتا ہے اور اُس سے پوچھتا ہے کہ تم اِس آدمی ــــــ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ــــــ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ پھر اگر وہ مومن ہو تو جواب میں کہہ دیتا ہے کہ میں اِس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ

کہ محمد اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ یہ سن کر فرشتہ کہتا ہے کہ تم نے بالکل سچ کہا۔ پھر اُسے جہنم کا ایک دروازہ کھول کر دکھایا جاتا ہے اور فرشتہ اُس سے کہتا ہے کہ اگر تم اپنے رب کا انکار کرتے تو تمھارا ٹھکانا یہاں ہوتا، لیکن چونکہ تم اُس پر ایمان لائے تھے، اِس لیے اللہ تعالیٰ نے اِس کے بجاے تمھیں دوسرا ٹھکانا عطا کیا ہے اور وہ یہ ہے۔ یہ کہہ کر اُس کے لیے جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پھر وہ اٹھ کر جنت میں داخل ہونا چاہتا ہے تو فرشتہ اُس سے کہتا ہے: ابھی اطمینان سے یہاں رہو۔ پھر اُس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے۔ اور اگر وہ کافر یا منافق ہو تو فرشتہ جب اُس سے پوچھتا ہے کہ تم اِس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہو تو وہ جواب دیتا ہے کہ مجھے تو کچھ معلوم نہیں۔ میں نے لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سنا ضرور تھا، (بس میں بھی وہی کہہ دیتا تھا)۔ یہ سن کر فرشتہ اُس سے کہتا ہے کہ تم نے نہ خود سمجھا، نہ قرآن پڑھا اور نہ ہدایت پائی۔ پھر اُسے جنت کا ایک دروازہ کھول کر دکھایا جاتا ہے اور فرشتہ اُس سے کہتا ہے کہ اگر تم اپنے رب پر ایمان لائے ہوتے تو تمھارا ٹھکانا یہاں ہوتا، لیکن چونکہ تم کفر پر رہے، اِس لیے اللہ نے تمھارا ٹھکانا یہاں سے بدل کر دوسرا کر دیا ہے اور وہ یہ ہے۔ یہ کہہ کر اُس کے لیے جہنم کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ پھر وہ فرشتہ اپنے ہتھوڑے سے اُس پر اتنی زور سے ضرب لگاتا ہے کہ اُس کی (چیخوں کی) آواز جن و انس کے سوا اللہ کی ساری مخلوق سنتی ہے۔ یہ سن کر لوگوں میں سے کسی نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول، ایسا فرشتہ جس کے سامنے بھی ہاتھ میں ہتھوڑا لے کر کھڑا ہو گا، اُس پر گھبراہٹ تو لازماً طاری ہو گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی کہ: ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ﴾ ''ایمان والوں کو اللہ محکم بات سے ثبات عطا فرمائے گا'' (ابراہیم ۱۴: ۲۷)۔

اِس روایت کا متن اصلاً مسند احمد، رقم ۱۱۰۰۰ سے لیا گیا ہے۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ کی اِس روایت کے متابعات بشمول بین القوسین اضافوں کے اِن مصادر میں دیکھے جا سکتے ہیں: السنۃ، ابن ابی عاصم، رقم ۸۶۵۔ السنۃ، عبد اللہ بن احمد، رقم ۱۴۵۶۔ تفسیر طبری، رقم ۲۰۷۶۲۔ اثبات عذاب القبر، بیہقی، رقم ۳۲۔

[باقی]

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

رضوان اللہ

دعوت دین میں انتقام

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ط اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ. وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِہٖ ط وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَھُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ. وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْھِمْ وَلَا تَکُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ. اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ.

(النحل۱۶: ۱۲۵-۱۲۸)

’’تم، (اے پیغمبر)، اپنے پروردگار کے راستے کی طرف دعوت دیتے رہو حکمت کے ساتھ اور اچھی نصیحت کے ساتھ، اور ان کے ساتھ اس طریقے سے بحث کرو جو پسندیدہ ہے۔ یقیناً تیرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت پانے والے ہیں۔ اگر تم لوگ (کسی وقت) بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمھارے ساتھ کیا گیا ہے، لیکن اگر صبر کرو تو صبر کرنے والوں کے لیے یہ بہت ہی بہتر ہے۔ (اے پیغمبر)، صبر کرو۔ اور تمھیں یہ صبر خدا کے تعلق ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ تم ان پر غم نہ کرو اور جو چالیں یہ چل رہے ہیں، ان سے تنگ دل نہ ہو۔ بے شک، اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا اور جو خوبی سے عمل کرنے والے ہیں۔‘‘

اپنی اصل کے اعتبار سے دین کی دعوت پروردگار عالم کی طرف بلانے کا ایک عمل ہے، اس لیے یہ اپنے داعی سے حد درجہ حساسیت اور سنجیدگی کا تقاضا کرتی ہے کہ جس کا اگر لحاظ نہ رکھا جائے تو زندگی بھر کی محنت ضائع ہونے اور جس دین کا نمایندہ ہو کر دعوت دی جا رہی ہو، خود اُس پر بھی حرف آنے کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اس

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

میں وہ وقت تو بہت سخت امتحان کا ہوتا ہے جب مخاطبین ہر طرح کی ہم دردی اور خیر خواہی کی ناقدری کرتے ہوئے ایذار سانیوں اور حد درجہ کی ناز یبا اور پست حرکتوں پر اتر آتے ہیں اور داعی کے سامنے یہ اہم سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اب کون سا طرز عمل اختیار کرے۔ کیا وہ ان اقدامات کا ترکی بہ ترکی جواب دے یا پھر اپنے مشن کی خاطر ان سے مستقل طور پر درگذر کرتا رہے؟ اس فیصلے میں چونکہ بہت کچھ افراط و تفریط واقع ہو جاتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں اس معاملے کو ذرا تفصیل سے بیان کر دیا جائے۔ یہ تفصیل تین عنوانات کے تحت بہ خوبی کی جا سکتی ہے، جیسا کہ انتقام، جواز اور مطلوب:

ا۔ انتقام

اصل میں 'وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ' کے جملے میں ایک فعل 'عَاقَبْتُمْ' استعمال ہوا ہے۔ یہ صرف اپنے ابتدائی معنی، یعنی باری آنے پر کسی سے معاملہ کرنے کے معنی میں نہیں آیا، بلکہ اس کا مطلب باری آنے پر کسی سے انتقام لینے کا ہے۔ اگرچہ لفظ کے اعتبار سے اس کا اطلاق ہر طرح کے اقدامات کا جواب دینے پر کیا جا سکتا ہے، مگر یہاں اس میں 'عقاب'، یعنی سزا کے پہلو کا غلبہ ہونے کی وجہ سے اس کا استعمال محض زبانی یا قولی قسم کی تعدی کے بجائے خاص اُس اقدام کا بدلہ لینے پر کیا گیا ہے جو جان و مال اور عزت و آبرو کو عملی طور پر نقصان دینے والا کوئی معاملہ ہو، اور 'بِمِثْلِ' میں پائی جانی والی مماثلت بھی اسی صورت میں زیادہ مناسب اور موزوں دکھائی دیتی ہے۔ تاہم یہ ایک لطیف پہلو ہے اور طالب علموں سے دقت نظر اور خدا کی کتاب کے اچھے ذوق کا تقاضا کرتا ہے۔ قرآن نے جو بات یہاں 'عَاقَبْتُمْ' کا فعل لا کر خفیف طریقے سے بیان کی ہے، وہی بات بہر حال ایک دوسرے مقام پر 'الْبَغْیُ' کے اسم کے ذریعے سے کھول کر بھی بتا دی ہے کہ جس کا استعمال ہم جانتے ہیں کہ عام طور پر اسی دوسری نوع کی زیادتی کے لیے کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ. (الشوریٰ ۴۲: ۳۹)	''اور وہ کہ جو انتقام اُس وقت لیتے ہیں جب ان پر زیادتی کی جائے۔''

زیر بحث آیات کا سیاق بھی، اگر غور کیا جائے تو اسی تخصیص کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور کسی طرح ممکن نہیں ہو پاتا کہ اس میں زبانی نوعیت کی کسی تعدی کو مراد لیا جا سکے۔ آخر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ پہلے مسلمانوں کو حکمت و دانائی، اچھی نصیحت اور اعلیٰ درجے کی اخلاقی اقدار اپنانے کی تلقین کی جائے اور اس کے فوری بعد یہ کہہ دیا جائے کہ تمھارا مخاطب اگر بد زبانیوں پر اتر آتا ہے تو تمھیں پورا حق حاصل ہے کہ تم بھی اُسی

گھٹیا اور پست سطح پر اترو اور اُس کو اُسی کی زبان میں کرارا جواب دو؟

بلکہ چند ایک پہلو اور بھی ہیں کہ جن کی وجہ سے اس قسم کے اقدامات کا بدلہ لینے کا ذکر یہاں موجود نہیں مانا جا سکتا۔ وہ اس طرح کہ ان آیات میں بیان کردہ اچھے اوصاف اپنانے کی ہدایت نہ تو وقتی تدبیر کے طور پر دی جا رہی ہے اور نہ یہ تصنع اور دکھاوے اور محض کسی مطلب برآری کے لیے ہی دی گئی ہے۔ 'اُدْعُ' کے مفعول کا لفظوں میں مذکور نہ ہونا بتاتا ہے کہ یہ مستقل نوعیت کی حکمت عملی کا بیان ہے اور 'اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ' میں تقویٰ اور احسان کا ذکر بتا رہا ہے کہ یہ کسی وقتی غرض کے لیے دی گئی ہدایات نہیں ہیں کہ جب کام بنتا نظر نہ آئے تو داعی اخلاقیات کا مصنوعی چغا اتار کر ہر قسم کی بداخلاقیوں کا جواب دینے کے لیے اکھاڑے میں اتر آئے۔ بہ ادنیٰ تامل معلوم ہو جاتا ہے کہ ان اوصاف کو داعی کی شخصیت کا لازمی حصہ بنا دینا پیش نظر ہے، اور انسانی شخصیت کے اس پہلو کو تو سبھی جانتے ہیں کہ وہ لمحہ بھر میں بدل جانے والی کوئی چیز نہیں کہ ایک وقت میں وہ اعلیٰ ترین اقدار کی پابند ہو اور دوسرے وقت میں وہ اُن سے مکمل طور پر تہی دامن ہو کر لوگوں سے اُن کی بدزبانیوں کا بدلہ لیتی پھرے۔

دراصل، دعوت کے میدان میں یہ صرف عملی نوعیت کے اقدامات ہوتے ہیں کہ جن کا بدلہ لینا جائز قرار پاتا ہے اور اس پر کسی طرح کے اخلاقی سوالات بھی پیدا نہیں ہوتے۔ تاہم، یاد رہے کہ اس میں بھی لازم قرار دیا جاتا ہے کہ ہمیشہ اخلاقی دائرے اور دین میں بیان کردہ منہیات سے پرہیز کرتے ہوئے ہی ان کا جواب دیا جائے۔ اخلاقی دائرے میں رہنے اور منہیات سے پرہیز کرنے کی یہ شرط چاہے لفظوں میں مذکور نہ ہو، مگر محض اس وجہ سے لازم قرار دی جاتی ہے کہ بدلہ لینے کی یہ اجازت ایک مسلمان کو دی جا رہی ہے کہ جس کے ہاں یہ بات پہلے سے ایک مسلمہ اصول کی حیثیت رکھتی ہے[1]۔

اب جہاں تک زبانی اقدامات کا معاملہ ہے تو اسے بھی اچھی طرح سے سمجھ لیا جانا چاہیے۔ عام طور پر اس کی دو صورتیں دیکھنے کو ملتی ہیں: ایک مخاطبین کی طرف سے وقوع پذیر ہونے والی وہ باتیں جو لغویات کے زمرے میں آتی ہیں۔ مثال کے طور پر وہ تنقید برائے تنقید کرتے ہیں، کج بحثی پر اتر آتے اور داعی کی ہر بات میں مین میکھ نکالنے لگتے ہیں۔ اور اسی طرح بے جا قسم کے اعتراضات اٹھاتے، تعصبات کا شکار ہوتے اور ہار جیت کی نفسیات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یاد رہنا چاہیے کہ اس طرح کی تمام باتوں کا جواب دینا تو بہت دور کی بات، ان میں سرے

۱۔ ایک حدیث میں اسی اصول کی بنا پر فرمایا ہے: 'ولا تخن من خانک'، ''جو شخص تم سے خیانت کرے، تم جواب میں اس سے ہرگز خیانت نہ کرو'' (ترمذی، رقم ۱۲۶۴)۔

سے ملوث ہونا ہی ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ قرآن میں ایمان والوں کا یہ بنیادی وصف بتایا گیا ہے کہ وہ اس طرح کی چیزوں سے مستقل طور پر اِعراض کرتے ہیں، اور اگر ان چیزوں پر کہیں ان کا گزر ہو جائے تو وہ اپنی حیثیت اور سنجیدگی پر کبھی سمجھوتا نہیں کرتے، بلکہ نہایت وقار اور تمکنت کے ساتھ ان سے پہلو تہی کر جاتے ہیں۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا. (الفرقان ۲۵: ۷۲)

''اور جب کسی بے ہودہ چیز پر ان کا گزر ہوتا ہے تو وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔''

بلکہ یہ بھی بتایا ہے کہ اس طرح کے مواقع پر اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر لوگوں سے الجھ جانا، اصل میں شیطان کے کچوکے کا شکار ہو جانا ہے کہ جس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ شیطان کی معیت آدمی کا نصیب ٹھیرتی اور اللہ کی رحمتیں اس سے روٹھ کر کہیں دور چلی جاتی ہیں۔ اس سنگین صورت حال کا خدا کی پناہ میں آئے بغیر علاج ہو جانا کسی طرح بھی ممکن نہیں، چنانچہ ایک جگہ نصیحت فرمائی ہے:

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ. (الاعراف ۷: ۲۰۰)

''اور اگر تمھیں کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آجائے تو اللہ کی پناہ چاہو۔ وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

ان اقدامات کی دوسری صورت وہ ہوتی ہے کہ جن میں داعی کو اشتعال دلانے کی پوری پوری صلاحیت پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر سخت سست کہنا، مذاق اڑانا، طنز و تعریض کے تیر چلانا، دوسروں کے سامنے اس کی تضحیک کرنا اور ایسا انداز اپنانا کہ سب کے سامنے اس کی بے عزتی ہو۔ اور اس سے آگے بڑھ کر دشنام طرازیاں کرنا اور تنابز بالالقاب، یعنی داعی کو الٹے سیدھے ناموں سے پکارنا۔ سو اس طرح کی تمام باتوں کا جواب دینے[۲] کے بجاے اس سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اشتعال میں آئے گا اور نہ کبھی غضب ناک ہو گا، بلکہ ہمیشہ عفو و در گذر کا معاملہ کرے گا۔ ظاہر ہے، اس قدر ضبط نفس کا مظاہرہ کرنے کے لیے بڑا اعلیٰ ظرف چاہیے، ذیل کی آیت میں 'هُمْ' کی ضمیر کا اظہار کر کے اس کمال درجے کے رویہ کو اپنانے پر اُس کی قدر یوں بڑھائی ہے:

وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ. (الشوریٰ ۴۲: ۳۷)

''اور جب غصہ آجائے تو وہ در گذر کر جاتے ہیں۔''

۲۔ اس طرح کی باتوں کا جواب اس لیے بھی نہیں دیا جا سکتا کہ ایک حدیث کے مطابق مسلمان کبھی بھی بدزبان نہیں ہو سکتا (احمد، رقم ۳۹۴۸)۔

۲۔ جواز

مذکورہ بالا آیات میں انتقام کی کس قسم کا جواز بیان ہوا ہے، یہ جان لینے کے بعد اب اس جواز کی نوعیت بھی بہت اچھی طرح سے واضح ہو جانی چاہیے، اور اس کے لیے ذیل کی چند باتیں کافی حد تک معاون ہو سکتی ہیں:

ایک یہ کہ 'وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ' میں آنے والا 'وَاِنْ' اصل میں استدراک کو ظاہر کر رہا ہے، مگر دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ اس کا مستدرک منہ پیچھے لفظوں میں مذکور نہیں ہے۔ اگر فعل 'عَاقَبْتُمْ' اور سیاق کلام کی رعایت رکھی جائے تو اس کا مقام 'اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ' کے جملے سے پہلے بنتا ہے اور اسے ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے: ''تم اسی طرز کو اپنائے رہو چاہے، یہ تمھارے خلاف کوئی بھی اقدام کریں۔''

مزید یہ کہ 'اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ' میں علم سے مراد اس کا لازم ہے اور گم راہوں کا ذکر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اصلاً انھی کا معاملہ یہاں بیان کرنا مقصود ہے۔ یہ چیزیں اگر سامنے رہیں تو اب 'وَاِنْ عَاقَبْتُمْ' میں بیان کردہ جواز کی نوعیت یہ بنتی ہے: ''لیکن اگر تم پھر بھی بدلہ لینا چاہو تو۔'' اور پوری بات یوں ہو گی: ''اے پیغمبر، تم حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دو اور ان کے ساتھ بحث بھی اچھے طریقے سے کرو اور (اپنے اس طرز کو بہر صورت اپنائے رکھو، چاہے یہ لوگ کچھ بھی اقدام کریں)، اس یقین کے ساتھ کہ تمھارا رب سب سے واقف ہے، اس لیے وہ خود ہی گم راہوں سے بدلہ لے گا اور جو اس کی ہدایت کو ماننے والے ہوئے انھیں وہ اس کا صلہ بھی دے گا۔ لیکن اگر تم پھر بھی بدلہ لینا چاہو تو...''۔

دوسرے یہ کہ 'وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ' کا جملہ یہاں انتقام کا جواز بتانے کے لیے ہرگز نہیں لایا گیا، بلکہ قرآن کے پیش نظر یہ ہے کہ جو لوگ اپنا بدلہ لینے کے لیے تیار ہو گئے ہیں، اُن پر اچھی طرح سے واضح کر دیا جائے کہ وہ ہمیشہ برابر کا معاملہ کریں گے اور کبھی بھی حد سے تجاوز نہ کریں گے۔

تیسرے یہ کہ 'وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ' میں جب فرمایا ہے کہ بہتر یہی ہے کہ تم صبر کرو تو یہ اصل میں محض یہ بتانا نہیں ہے کہ انتقام لینے اور نہ لینے کے دو عملوں میں سے ایک زیادہ اچھا ہے، بلکہ اس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ ان میں سے پہلے عمل کا جواز تمھاری ذاتی حیثیت کا اعتبار کرتے ہوئے بیان کیا جا رہا ہے، وگرنہ دینی اعتبار سے اچھا، بہر صورت یہ دوسرا عمل ہی ہے۔ قرآن میں اس نوع کی اور بھی مثالیں دیکھ لی جا سکتی ہیں، مثلاً سود کے متعلقہ آیات میں 'وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ' کہہ کر واضح فرمایا ہے کہ یہ مال چونکہ تمھارا اپنا ہے، اس لیے ذاتی حیثیت میں تمھارے لیے اس کا واپس لینا بالکل جائز ہے، مگر دینی اور اخلاقی لحاظ سے بہتر

یہی ہے کہ تم تنگ دست کا قرض بالکل ہی معاف کر دو۔

چوتھی بات یہ کہ 'اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ' سے جو آیات شروع ہوئی ہیں، ان میں خطاب اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا ہے، مگر ہم جانتے ہیں کہ یہ امت کے امام کی حیثیت سے ہے، چنانچہ اس میں دی جانے والی ہدایات اصل میں سب مسلمانوں کے لیے ہیں۔ مگر یہ واحد کے صیغے سے ہونے والا خطاب 'وَاِنْ عَاقَبْتُمْ' پر آکر جمع کے صیغے میں بدل جاتا ہے اور ایک جملۂ معترضہ کے بعد 'وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ' میں واحد کے صیغہ کے ذریعے سے یہ آپ کی طرف پھر سے واپس آجاتا ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ جواز کا یہ امر نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے اور نہ اُن لوگوں سے جو آپ کی امامت میں مقتدی کے طور پر کھڑے رہنا اپنی سعادت سمجھتے ہوں۔

پانچویں بات یہ ہے کہ انتقام کی اجازت دینے کے بعد 'وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ' فرمایا ہے۔ بہ ادنیٰ تامل سمجھ لیا جا سکتا ہے کہ اس کا عطف ''تم اسی طرز کو اپنائے رہو، چاہے یہ تمھارے خلاف کوئی بھی اقدام کریں'' کے اُس جملے پر ہے جو یہاں حذف کر دیا گیا ہے۔ گویا معطوف علیہ میں پایا جانے والا اصبر کا ابتدائی مفہوم اس مقام پر آکر اپنے اتمام، یعنی برداشت کرنے کے معنی تک پہنچ گیا ہے۔ سو اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہاں آپ کو بدلہ لینے کی ہرگز اجازت نہیں دی گئی، بلکہ 'وَاصْبِرْ' کے الفاظ میں بہ اصرار فرما دیا ہے کہ بعض لوگ چاہیں تو اپنا انتقام ضرور لے لیں، مگر آپ اور آپ کے متبعین کو بہر حال اس سے بچنا اور برداشت کرتے رہنا ہے۔

یہ تمام باتیں اگر سامنے رہیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ اس آیت میں بیان ہونے والا جواز مثال کے طور پر، تیمم اور قصر جیسا نہیں ہے کہ جو مستقل طور پر رخصت کا درجہ رکھتے اور اپنی ذات میں نیکی کے کاموں میں سے شمار ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ جواز خالص انسانی سطح کی رعایت کرتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے بیان کیا ہے کہ تم اس سے فائدہ اٹھانا چاہو تو تمھاری مرضی ہے، وگرنہ اس سے بچ جانا بہت اچھا ہے اور اس سے آگے بڑھ کر آپ کے لیے اس کی ممانعت بھی کر دی گئی ہے کہ 'وَاصْبِرْ'، یعنی تم بس صبر کرو۔ سادہ لفظوں میں اسے ''جوازِ ممنوع'' کہا جا سکتا ہے، اور ظاہر ہے کہ جواز کی یہ مخصوص قسم محض فقہی ذہن کی گرفت میں آجانا کسی طور ممکن نہیں کہ اس کے لیے قرآن کے اسالیب کی کما حقہٗ واقفیت ہونا بہت ضروری ہے۔

۳۔ مطلوب

اب یہ بات بھی سمجھ لی جانی چاہیے کہ اس معاملے میں خدا اپنے بندوں سے کس قسم کے رویے کی توقع رکھتا

ہے۔ دعوت کے میدان میں ہر طرح کے گرم سرد حالات کے باوجود متحمل مزاج رہنا، ایک مشکل امر ہے، مگر 'وَاصْبِرْ' کے الفاظ بتاتے ہیں کہ اس کے ہاں مطلوب یہی ہے کہ ہم طاقت رکھنے کے باوجود ان زیادتیوں کا بدلہ ہرگز نہ لیں۔ اس عدم انتقام کا حاصل کیا ہو سکتا ہے، اسے یوں واضح فرمایا ہے: 'وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ'۔

اس میں دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ صبر کرنے والوں کے لیے یہ تو ارشاد ہوا ہے کہ وہ ان کے لیے بہت اچھا ہے، مگر یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ کس اعتبار سے، اور اس ابہام ہی کی وجہ سے اس میں عمومیت کا معنی پیدا ہو گیا ہے کہ یہ دنیا اور آخرت، دونوں کے لحاظ سے ہے۔ ضمیر کے بجاے چونکہ 'الصّٰبِرِيْنَ' کا اسم لایا گیا ہے، اس وجہ سے اس کے دنیوی فائدوں میں دعوت کو پہنچنے والا فائدہ بدرجۂ اتم آ گیا ہے کہ اسی کے لیے یہ لوگ اس قدر مصائب جھیلتے ہوئے آخر کار صابرین کہلائیں گے۔ بلکہ غور کیا جائے تو صبر کے عمل پر جو آخرت میں اجر ملنے کا وعدہ کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ بھی یہی تو ہوتی ہے کہ اس کے نتیجے میں دین کی دعوت کو فائدہ حاصل ہونے کا امکان ہوتا ہے، نہ کہ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اذیتوں کو برداشت کرنا اپنی ذات میں کوئی بہت اچھا کام ہے۔

عملی طور پر بھی دیکھا جائے تو فائدہ اور نقصان کی یہ بات ہر طرح سے واضح ہو جاتی ہے۔ وہ اس طرح کہ جب داعی کسی مار کا بدلہ لیتے ہوئے اپنے مخاطب کو مارے گا تو اس سے کسی قدر اطمینان اور تسلی تو اس کو ضرور ہو جائے گی، مگر لازمی بات ہے کہ دوری کا ماحول پیدا کر کے وہ خود اپنے ہاتھوں سے دعوت کا دروازہ بند کرے گا۔ دنیا میں اس طرح کے لوگ شاذ ہی پائے جاتے ہیں کہ جن کے ساتھ آپ باہم دست و گریبان ہو چکے ہوں اور وہ اس کے باوجود آپ کی بات پر توجہ دیں اور اسے قبول کر لیں۔ بدلہ لینے سے دعوت کے میدان میں ہونے والا یہی نقصان پیش نظر ہے کہ ایک جگہ وعدہ فرمایا ہے کہ جو معاف کرے اور اس طرح لڑائی کے بجاے صلح کا ماحول پیدا کر دے، اُس کا اجر اللہ کے ذمہ لازم ہو جاتا ہے:

فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ. (الشوریٰ ۴۲: ۴۰)

"پھر جس نے معاف کیا اور معاملے کی اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔"

بدلہ لینا من جانب نفس ہونے کی وجہ سے ہم جانتے ہیں کہ انسانی طبیعت کے لیے اپنے اندر شدید کشش رکھتا اور اس وجہ سے بہت مرغوب کام ہے، مگر اس کے مقابلے میں بدلہ نہ لینا اپنے نفس اور اس کی اکساہٹوں کو دبانا ہے اور اس لحاظ سے ایک نہایت مشکل کام ہے۔ چنانچہ خصوصی ہدایت فرمائی ہے کہ اس کی توفیق تم اللہ سے مانگو کہ یہ متاع صرف وہیں سے تمھیں میسر آ سکتی ہے: 'وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ'۔

جنت میں مختلف درجات ہیں جو عمل کی کمی یا زیادتی اور اُس کے لیے اٹھائی جانے والی مشقت کے کم یا زیادہ ہونے کی بنیاد پر دیے جائیں گے۔ چنانچہ صبر کرنے کے حکم سے آگے بڑھ کر فرمایا ہے کہ نیکی اور برائی اپنی ذات میں دو مختلف چیزیں ہیں اور اس وجہ سے دو مختلف نتائج بھی رکھتی ہیں، چنانچہ ہونا یہ چاہیے کہ مخاطبین کی زیادتیوں کے بدلے میں ان سے مزید بھلائی کا برتاؤ کیا جائے کہ اس سے نہ صرف یہ کہ دعوت کے لیے درکار ماحول پیدا ہوگا، بلکہ دوستی کے تعلقات بھی قائم ہوں گے، اور ظاہر ہے کہ اس سے دعوت کے نتیجہ خیز ہونے کے امکانات اور زیادہ بڑھ جائیں گے:

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ. (حٰم السجدہ ۴۱: ۳۴)

”حقیقت یہ ہے کہ بھلائی اور برائی، دونوں یکساں نہیں ہیں۔ (اس میں شبہ نہیں کہ تمھارے یہ منکرین اب برائی کے درپے ہیں، لیکن) تم برائی کے جواب میں وہ کرو جو اس سے بہتر ہے تو دیکھو گے کہ وہی جس کے اور تمھارے درمیان عداوت ہے، وہ گویا ایک سرگرم دوست بن گیا ہے۔“

اوپر کی جانے والی تمام گفتگو کا چند جملوں میں خلاصہ یہ ہے کہ خدا کے نزدیک اس معاملے میں مطلوب صورت برائی کے جواب میں اچھائی کرنا یا کم سے کم بدلہ نہ لینا ہے۔ مگر ہر کسی کا حوصلہ ایک جیسا نہیں ہوتا، اس لیے اگر کوئی شخص بدلہ لینے کا فیصلہ کرتا ہے تو اسے یہ حق حاصل ہے۔ مگر اسے اول تو یہ جان لینا چاہیے کہ وہ بدزبانیوں کے بجائے صرف عملی اقدامات کا بدلہ لے سکتا ہے[۳]۔ دوسرے یہ کہ جب وہ ایسا کرتا ہے تو دعوت کی مسند سے اترنے اور اپنی ذاتی حیثیت میں جا کر یہ سب کرنے کا اعلان کرتا ہے۔ اور ظاہر ہے، اس سے اُس کی ذاتی تسکین کا سامان تو بہت کچھ ہو جاتا ہے، مگر اُس دعوت کو نقصان پہنچنے کا شدید خطرہ لاحق ہو جاتا ہے جو اُس کی طرف سے یا اس جماعت کی طرف سے پیش کی جا رہی ہوتی ہے کہ جس کا وہ ایک فرد ہوتا ہے۔

۳۔ اور خاص طور پر اُن بدزبانیوں کا بدلہ تو بالکل نہیں لیا جا سکتا کہ جن کے ظہور کی وجہ خود اُس کا اپنا کوئی فعل ہو، جیسے مخاطب کو اس حد تک زچ کر دینا کہ وہ اس سے مشتعل ہو کر بدگوئی کرنے لگے، اس لیے کہ اس صورت میں تو اُس کی بدگوئیوں کا وبال بھی داعی کے اپنے سر آ جاتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ڈاکٹر عرفان شہزاد

حدیث: ”میری امت میں خلافت تیس سال رہے گی“ کا ایک جائزہ

[”نقطۂ نظر“ کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُرَيْجُ بْنُ النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَشْرَجُ بْنُ نُبَاتَةَ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُمْهَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ سَفِيْنَةُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”الخِلاَفَةُ فِي أُمَّتِيْ ثَلاَثُوْنَ سَنَةً، ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذٰلِكَ“ ثُمَّ قَالَ لِيْ سَفِيْنَةُ: أَمْسِكْ خِلاَفَةَ أَبِيْ بَكْرٍ، وَخِلاَفَةَ عُمَرَ، وَخِلاَفَةَ عُثْمَانَ، ثُمَّ قَالَ لِيْ: أَمْسِكْ خِلاَفَةَ عَلِيٍّ قَالَ: فَوَجَدْنَاهَا ثَلاَثِيْنَ سَنَةً، قَالَ سَعِيْدٌ: فَقُلْتُ لَهُ: إِنَّ بَنِيْ أُمَيَّةَ يَزْعُمُوْنَ أَنَّ الخِلاَفَةَ فِيْهِمْ؟ قَالَ: كَذَبُوْا بَنُو الزَّرْقَاءِ بَلْ هُمْ مُلُوْكٌ مِنْ شَرِّ الْمُلُوْكِ.[1]

”سعید بن جمہان سفینہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خلافت میری امت میں تیس سال تک رہے گی۔ پھر اس کے بعد ملوکیت آجائے گی۔ پھر سفینہ نے مجھ سے کہا شمار کرو ابو بکر کی خلافت، عمر کی خلافت اور عثمان کی خلافت۔ پھر مجھ سے کہا: شمار کرو علی کی خلافت۔

۱۔ ترمذی، رقم ۲۲۲۶۔

سعید کہتے ہیں کہ ہم نے شمار کیا تو اس مدت کو تیس سال پایا۔ سعید نے کہا: میں نے سفینہ سے کہا کہ بنوامیہ کا خیال ہے کہ خلافت اب ان میں ہے۔ سفینہ نے کہا: بنوزرقا جھوٹ بولتے ہیں، وہ تو بدترین بادشاہ ہیں۔"

پورے ذخیرۂ حدیث میں اس حدیث کا مدار فقط ایک راوی، سفینہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ روایت کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ملتیں۔ سعید بن جمہان رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے ان کا نام پوچھا تو انھوں نے بتانے سے انکار کر دیا (تاریخ دمشق، ابن عساکر ۴/ ۲۶۷)۔ اصحاب رجال نے ان کے متعدد نام لکھے ہیں، مگر کسی پر جزم کا اظہار نہیں کیا[۲]۔

سفینہ خود صحابیت کے مدعی ہیں۔ وہ خود کو خادم رسول اور مولیٰ رسول (آزاد کردہ غلام) باور کراتے ہیں۔ ان کے بقول حضرت ام سلمہ نے انھیں اس شرط پر خرید کر آزاد کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کریں گے۔ تاہم پورے ذخیرۂ حدیث اور سیرت میں ان کا اور ان کی خدمات کا کہیں کوئی تذکرہ سوائے ان کے اپنے بیان کے، نہیں ملتا۔ ان کی صحبت رسول اور ان کے بیان کردہ واقعات کی تصدیق کسی صحابی کی طرف سے موجود نہیں ہے۔

اپنے بارے میں ان کے بیانات عجائبات پر مشتمل ہیں۔ ان کے بقول ان کا نام یا لقب، سفینہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رکھا تھا۔ یہ اس موقع پر ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کو ایک سفر کے دوران میں اپنا زائد سامان اٹھانا مشکل ہو رہا تھا۔ چنانچہ سب کے سامان کو ایک کپڑے میں ڈال کر ان کو اٹھانے کے لیے کہا گیا۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سفینہ، یعنی کشتی یا بحری جہاز کا لقب دیا۔ کہتے ہیں کہ اس دن سات اونٹوں کا سامان بھی ہوتا تو میں اٹھا لیتا[۳]۔

۲۔ يُقَالُ: اسمه مهران بْن فروخ، قاله الواقدي، ويُقال: اسمه نجران، قاله مُحَمَّد بْن سعد. ويُقال: اسمه رومان. ويُقال: رباح. ويُقال: قيس، قاله ابن البرقي. ويُقال: شنبه بْن مارفنه ويُقال: إن اسمه عُمَير، حكاه ابن عَبد الْبَرِّ. ويُقال: عبس، حكاه أبو نعيم. ويُقال: سُلَيْمان، حكاه العسكري. ويُقال: أيمن، ويُقال: طهمان، حكاه السهيلي، ويُقال غير ذلك (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ۱۱/۲۰۵)۔

۳۔ مسند أحمد ط الرسالة ۳۶/۲۵۶۔

نیز فرماتے ہیں کہ وہ ایک بحری سفر میں تھے کہ ان کی کشتی ٹوٹ گئی۔ یہ سمندر میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے کہ ایک تختہ ہاتھ آ گیا۔ یہ کسی طرح کنارے آ لگے۔ وہاں ایک شیر سے ان کا سامنا ہوا۔ انھوں نے شیر سے کہا کہ اے ابو الحارث (شیر کا لقب) میں رسول اللہ کا مولیٰ (آزاد کردہ غلام) ہوں۔ شیر نے تابع داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے انھیں راستہ دکھایا اور پھر اپنے انداز میں الوداع کہہ کر رخصت ہو گیا[4]۔

افسانوی طرز کے عجائبات کی جو خصوصیات ہوتی ہیں، وہ سب ان کے بیان کردہ واقعات میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ وہ اپنے ساتھ بیتے واقعات کے سنین، مقامات کے نام اور دوسرے تعینات بیان نہیں کرتے جس سے واقعات کی تصدیق کی جا سکے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ کس سفر میں تھے جس میں ''سفینہ'' نام دیے جانے کا واقعہ پیش آیا۔ وہ سمندر اور ساحل کون سا تھا جہاں طوفان اور شیر والا واقعہ پیش آیا[5]۔

دوسرے یہ کہ خلافت سے متعلق یہ حدیث انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت نہیں کی، یعنی یہ نہیں کہا کہ انھوں نے خود اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، جس سے واضح نہیں ہوتا کہ انھوں نے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے یا کسی سے سن کر بیان کیا ہے۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث کا موضوع سیاسی ہے۔ سیاسی موضوعات ہر ایک کی دل چسپی کا موضوع ہوتے ہیں۔ لیکن اس حدیث کا علم سوائے سفینہ کے اور کسی صحابی کو نہیں ہوا، حتیٰ کہ دور فتن میں مشاجرات کے دوران میں بھی کسی صحابی، بشمول خلفا، نے اس حدیث کو پیش کر کے فریقین کے حق و ناحق پر استدلال نہیں کیا۔ کیا یہ بات ایسی تھی کہ سفینہ کے علاوہ کسی اور کو معلوم نہیں ہو سکتی تھی؟

چوتھے یہ کہ یہ حدیث چونکہ ایک پیشین گوئی تھی، اس لیے اسے اپنے مصداق کے وقوع سے پہلے بیان ہونا چاہیے تھا تاکہ دلیل یا تنبیہ بنتی، لیکن یہ پہلی بار بیان میں تب آئی جب چاروں خلفا کا زمانہ گزر چکا تھا۔ سوال یہ ہے کہ سفینہ نے اس حدیث کو مشاجرات کے دوران میں کیوں بیان نہیں کیا؟ کیوں اتنا عرصہ انھوں نے اسے چھپائے رکھا؟ یہ ایسی بات ہے جو اس کی صداقت کو بالکل مشکوک بنا دیتی ہے۔

پانچویں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۱۱؍ ہجری میں ہوئی۔ تیس سال شامل کریں تو خلافت راشدہ کو ۴۱؍ ہجری تک جاری رہنا چاہیے تھا، مگر حضرت علی کی شہادت ۴۰؍ ہجری میں ہوئی۔

۴۔ الجامع الصحیح للسنن والمسانید ۱۶/ ۲۳۵۔

۵۔ حضرت سفینہ سے متعلق ان نکات کی طرف توجہ ڈاکٹر طٰہٰ حامد دلیمی کے توسط سے ہوئی۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

چنانچہ سفینہ نے برسوں کا جو شمار کرایا، وہ بھی درست نہیں۔

ایک منفرد روایت ہونے کی وجہ سے یہ بھی ممکن نہیں کہ اس کا تقابل اسی مفہوم کی دیگر روایات سے کیا جاسکے جو اس کی تصدیق کر سکیں۔

محدثین نے کلام رسول کی معرفت کی بنیاد پر یہ اصول طے کیا ہے کہ جس حدیث میں مستقبل کے بارے میں متعین سال یا مدت کا ذکر ہو، وہ موضوع، یعنی گھڑی ہوئی ہے۔ یہ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مستقبل کے بارے میں تعینات کے ساتھ پیشین گوئی نہیں فرماتے تھے۔ ایسی تعینات بعد کے واضعین حدیث کا طریقہ تھا۔ دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی بعض روایات میں بارہ خلفا کے آنے کی خبر دی گئی ہے جو اسلام کا بول بالا کریں گے[6]، یہ حدیث زیر بحث حدیث کے مخالف ہے جو خلافت یا معیاری خلافت کو چار خلفا تک محدود بتاتی ہے۔ بارہ خلفا والی حدیث سند کے اعتبار سے قوی ہے۔ نیز ان بارہ خلفا میں کسی شخص اور مدت کی تعیین اور تحدید نہیں کی گئی ہے۔ عدم تعیین کا یہ اسلوب ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی پیشین گوئیوں میں کلام رسول کے مناسب ہے۔

جن محدثین نے سفینہ کی اس حدیث کو صحیح یا حسن کہا، معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے حدیث کے راوی سعید بن جمہان کے بھروسے پر اور سفینہ کو صحابی گمان کر کے ایسا کہا، حالاں کہ سعید بن جمہان کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ ثقہ تھے یا نہیں، جب کہ کچھ محدثین سعید بن جمہان سے وہی روایت قبول نہیں کرتے جو سفینہ سے مروی ہو کہ اس میں منکر اور عجائب پائے جاتے ہیں[7]۔ معلوم ہوتا ہے کہ سعید کو سفینہ کی

۶۔ لَا يَزَالُ الْإِسْلَامُ عَزِيزًا إِلَى اثْنَيْ عَشَرَ خَلِيفَةً»، ثُمَّ قَالَ كَلِمَةً لَمْ أَفْهَمْهَا، فَقُلْتُ لِأَبِي: مَا قَالَ؟ فَقَالَ: «كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ»(مسلم ۳/۱۴۵۳)۔

۷۔وَقَال ابن مَعِين – في رواية: روى عن سفينة أحاديث لا يرويها غيره وأرجو أنه لا بأس به(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ۶/۴۳)۔

وَقَال أبو أحمد بْن عدي : روى عن سفينة أحاديث لا يرويها غيره، وأرجو أنه لا بأس بِهِ، فإن حديثه أقل من ذٰلِكَ(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ۱۰/۳۷۷)۔

وَقَال أَبُو عُبَيد الآجري: هُوَ ثقة إن شاء الله، وقوم يضعفونه ، إنما يخاف ممن فوقه – وسمي رجلا، يَعْنِي : سفينة(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ۱۰/۳۷۷)۔

عجائب بیانی متاثر کر گئی تھی اور انھوں نے تحقیق کے بغیر ہی ان کی باتیں آگے بیان کر دیں۔

یہ حدیث چونکہ سیاسی نوعیت کی ہے اور سیاسی حرکیات میں یہی ہوتا ہے کہ جس فریق کو جہاں سے جو چیز اپنی حمایت میں ملے، اسے بلا تنقید فوراً قبول کر لیا جاتا ہے، اس لیے یہ حدیث اپنی انفرادیت، مشکوک سند اور دیگر شبہات کے باوجود شہرت پا گئی۔ بعد کے ادوار میں اسے قبول عام حاصل ہو گیا اور یہ حق و باطل کو طے کرنے کا معیار قرار پا گئی۔ تاہم خود صحابہ اس سے ناواقف تھے اور ان میں سے کسی ایک نے بھی اسے بطور خبر، استدلال یا حوالے کے پیش نہیں کیا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد حسن الیاس

حرمت کے مہینوں میں قتال کی ممانعت: امام سرخسی کا استدلال

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حج کا مہینا دین ابراہیمی کی روایت میں ہمیشہ سے متعین رہا ہے۔ قدیم عہد میں سفر اس طرح آسان نہیں ہوا کرتے تھے، اس لیے عازمین حج طویل مسافت کو معاشی ضروریات کے پیش نظر تجارتی قافلوں کی صورت میں طے کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ خدا کے دین میں ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم میں حج کے لیے اور رجب میں عمرہ کی غرض سے جنگ وجدال سختی سے ممنوع رہی تاکہ لوگ بغیر کسی تردد کے امن کے ساتھ حرم کا سفر طے کر لیں اور خدا کے حضور میں پیش ہو کر آسانی سے حج وعمرہ ادا کر سکیں۔ ان مہینوں کو 'اَلْاَشْهُرُ الْحُرُم' کہا جاتا ہے۔

عربوں نے خدا کی اس ہدایت میں دو بدعات پیدا کر لی تھیں: پہلی یہ کہ وہ کسی کے خلاف لڑنا چاہتے تو حرام مہینے کی جگہ حلال مہینا رکھ کر اس لڑائی کو جائز کر لیتے۔ دوسری یہ کہ تجارتی مقاصد کے لیے قمری سال کو شمسی سال کے مطابق کرنے کے لیے اُس میں کبیسہ کا ایک مہینا بڑھا دیتے تاکہ حج ہمیشہ ایک ہی موسم میں آتا رہے۔ قرآن مجید نے حرام مہینوں میں اس طرح کے گھپلوں کو صریح نافرمانی قرار دیا، اہل ایمان کو تنبیہ کی کہ وہ ان مہینوں کی اس حیثیت کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں اور کبھی جنگی اقدام میں پہل نہ کریں۔ البتہ اگر ان مہینوں میں مسلمانوں پر جنگ مسلط کر دی جائے تو اس صورت میں کیا کیا جائے؟ قرآن مجید نے اس بات کی بھی وضاحت کر دی کہ اس طرح کی صورت حال میں اہل ایمان بھی لڑنے کا حق رکھتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:

"ماہِ حرام کا بدلہ ماہِ حرام ہے اور (اِسی طرح) دوسری حرمتوں کے بدلے ہیں۔ لٰہذا جو تم پر زیادتی کریں، اُن

کو اپنے اوپر اس زیادتی کے برابر ہی جواب دو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔'' (البقرہ ۲: ۱۹۴)

ایک دوسرے مقام پر قرآن مجید نے اس بات کو مزید توضیح کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے:

''وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ حرام مہینے میں قتال کا کیا حکم ہے؟ کہہ دو کہ اِس میں قتال بڑی ہی سنگین بات ہے، لیکن اللہ کی راہ سے روکنا اور اُس کو نہ ماننا اور بیت الحرام کا راستہ لوگوں پر بند کرنا اور اُس کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اِس سے بھی زیادہ سنگین ہے۔'' (البقرہ ۲: ۲۱۷)

اللہ تعالیٰ نے رسول کی بعثت کے بعد جانتے بوجھتے انکار کرنے والوں کو دنیا میں عذاب دینے کے لیے بھی ان مہینوں کی حرمت کو ملحوظ رکھا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

''(بڑے حج کے دن) اِس (اعلان) کے بعد جب حرام مہینے گزر جائیں تو اِن مشرکوں کو جہاں پاؤ، قتل کرو۔'' (التوبہ ۹: ۵)

اس آیت کی وضاحت میں صاحب ''البیان'' لکھتے ہیں:

''اِس سے وہ چار مہینے مراد نہیں ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا ہے، بلکہ وہی مہینے مراد ہیں جنھیں اصطلاح میں اشہر حرم کہا جاتا ہے۔ یہ تعبیر اِن مہینوں کے لیے بطور اسم و علم استعمال ہوتی ہے، اِس لیے عربیت کی رو سے کوئی اور مہینے مراد نہیں لیے جا سکتے۔ حج اکبر کے موقع پر جس اعلان کے لیے کہا گیا ہے، اُس کے بعد ۲۰ دن ذوالحجہ اور ۳۰ محرم کے باقی ہوں گے۔ یہ اُنھی کے بارے میں فرمایا ہے کہ اِن دنوں میں چونکہ جنگ و جدال ممنوع ہے، اِس لیے یہ جب گزر جائیں تو اِس اعلان کے نتیجے میں جن لوگوں کے خلاف کارروائی کی ضرورت ہو، اُن کے خلاف کارروائی کا آغاز کیا جائے، اِس سے پہلے کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ ذوالحجہ اور محرم کے پچاس دنوں کے لیے یہ تعبیر بالکل اُسی طرح اختیار کی گئی ہے، جس طرح ہم اپنی زبان میں بعض اوقات نومبر یا دسمبر کے مہینے میں کہتے ہیں کہ یہ سال گزر جائے تو فلاں کام کیا جائے گا۔'' (۲/ ۳۲۴)

ان تمام مقامات کو دیکھنے کے بعد بغیر کسی تردد کے کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید نے ان مہینوں کی حرمت کو ہمیشہ قائم رکھا ہے اور اہل ایمان پر بھی لازم کیا ہے کہ وہ ان کی حرمت کو کبھی پامال نہ کریں اور 'اَلْاَشْهُرُ الْحُرُم' کی اصطلاح بھی یہی بتاتی ہے کہ ان مہینوں کا متعین تصور پہلے سے موجود تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قرآن مجید اس اصطلاح کو کبھی استعمال نہ کرتا، بلکہ پہلے بتاتا ہے کہ اس سے مراد کیا ہے۔

قرآن مجید میں اس حکم کی اس درجے میں وضاحت کے باوجود بعض اہل علم اسے ''منسوخ'' مانتے ہیں۔ مثلاً

امام سرخسی کا کہنا ہے کہ قرآن مجید اگرچہ یہ حکم دے رہا ہے کہ حرام مہینوں میں جنگی اقدام نہ کیا جائے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل نے قرآن مجید کے اس حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔امام صاحب نے ایک روایت کو اپنا بنائے استدلال بنایا ہے۔یہ روایت انھوں نے امام محمد کی ''السیر الصغیر'' سے لی ہے۔روایت کے الفاظ یہ ہیں:

غزا رسول الله صلى الله عليه وسلم في المحرم لمستهل الشهر؛ وأقام عليها أربعين يومًا؛ وفتحها، يعني الطائف، في صفر.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب طائف کی جنگ شروع کی تو اس وقت محرم کی ابتدا تھی۔ آپ چالیس دنوں تک وہاں رہے اور پھر آپ نے طائف کو، صفر میں فتح کر لیا۔''

امام صاحب کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقدام خود بتا رہا ہے کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ کی جاسکتی ہے، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے حکم کو اپنے عمل سے منسوخ کر دیا ہے،اور رسول اللہ چونکہ دین کے معاملے میں خود سے کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں رکھتے ،اس لیے امام صاحب کے نزدیک یہ حرمت خود اللہ تعالیٰ نے ہی رسول اللہ کے اس عمل کے ذریعے سے ختم کر دی ہے۔

ہمارے نزدیک امام صاحب کا یہ استدلال درست نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید پوری قطعیت سے آخری وقت تک اس بات کو موضوع بنا رہا ہے اور بار بار واضح کر رہا ہے کہ ان مہینوں کی حرمت قائم رہنی چاہیے تو سوچنا اس پہلو پر چاہیے کہ اس قدر تنبیہ کے باوجود ایک روایت رسول اللہ کا ایسا عمل کیوں بیان کر رہی ہے، جو بظاہر قرآن مجید کے صریح حکم کے خلاف ہے۔ غور اس پہلو سے بھی ہونا چاہیے کہ حرمت والے مہینوں کے بارے جو قانون اور اس میں جو استثنا قرآن مجید میں بیان ہوا ہے تو آیا رسول اللہ کا یہ عمل اس سے متعلق تو نہیں ہے ؟ غور اصلاً اس روایت پر ہونا چاہیے کہ کیوں ایک روایت کی بنیاد پر ہم اللہ تعالیٰ کے کلام سے مختلف جگہ پر کھڑے ہو جائیں۔خدا کے کلام میں تنسیخ کا حق اگر کسی کو ہے تو وہ صرف خدا ہی کو ہے، لہٰذا اگر ان مہینوں کی حرمت کی منسوخی پر کسی چیز کو بنائے استدلال بنایا جا سکتا تو وہ صرف اور صرف خدا ہی کے کلام میں ہو سکتی ہے۔اس کلام کی محکم ہدایت کو کسی سنی سنائی بات کی بنیاد پر رد نہیں کیا جا سکتا۔ردا گر ہو گی تو لازماً وہ بات ہو گی جو قرآن مجید کے خلاف پیش کی جا رہی ہے۔

اس کے بعد ہم اس روایت پر آتے ہیں جو اصلاً امام محمد نے پیش کی تھی اور جس کی بنیاد پر امام سرخسی نے

قرآن مجید کے حکم کو منسوخ قرار دیا ہے۔ ''السیر الصغیر'' میں یہ روایت پانچ راویوں کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔ وہ راوی یہ ہیں: 'مُحَمَّد عَن أبي يُوسُف عَن الْحسن بن عمَارَة عَن الحكم عَن مقسم عَن ابْن عَبَّاس'۔ ان میں آخری راوی امام محمد خود ہیں۔ امام محمد کو حدیث کے راوی کی حیثیت سے جرح و تعدیل کے علما کس مقام پر رکھتے ہیں، یہ حقیقت شاید بعض عقیدت مندوں کے لیے باعث تکلیف ہو، لہٰذا اس سے گریز کر کے ہم حسن بن عمارہ پر آجاتے ہیں۔ ابن حجر علیہ الرحمۃ کے نزدیک یہ صاحب ''متروک'' ہیں اور امام ذہبی ان کا ذکر ''ضعیف احباب'' میں کرتے ہیں۔ اگرچہ اس روایت کی عمارت بنیاد ہی میں مخدوش تھی، لیکن حسن بن عمارہ کے آجانے کے بعد یہ روایت کسی درجہ میں بھی قابل التفات نہیں رہی۔ لہٰذا اسے کسی صورت میں رسول اللہ سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ یہ سر تا سر ایک ضعیف روایت ہے جسے ''سنت مشہورہ'' قرار دے کر اس کے ذریعے سے کلام اللہ کو منسوخ کیا جا رہا ہے۔

اس ضعیف روایت کے بر خلاف صحاح ہی میں رسول اللہ کے طائف کے غزوہ کی ''صحیح'' روایات موجود ہیں جو بتا رہی ہیں کہ یہ غزوہ حرمت والے مہینوں میں پیش ہی نہیں آیا۔ امام بخاری نے طائف کے غزوہ کا باب ان الفاظ میں باندھا ہے: 'باب غزوة الطائف في شوال'، یعنی غزوۂ طائف کا باب جو کہ شوال میں پیش آیا۔

اس غزوہ کا پس منظر اور واقعاتی ترتیب کیا تھی؟ حدیث اور تاریخ کی کتب میں اس کی بھی تفصیل درج ہے کہ یہ غزوہ دراصل غزوۂ حنین ہی کا تسلسل تھا۔ ہوازن و ثقیف کے شکست خوردہ لوگوں نے اپنے سربراہ مالک بن عوف نصری کے ساتھ بھاگ کر جب طائف میں پناہ لے لی اور وہاں قلعہ بند ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین سے فارغ ہو کر اسی ماہ شوال میں طائف کا قصد کیا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مکہ سن ۸ ہجری رمضان میں فتح ہوتا ہے، اسی سال اگلے ہی ماہ شوال میں حنین کا معرکہ پیش آجاتا ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سن ۸ ہجری کے آغاز میں محرم کے وقت فتح مکہ سے پہلے ہوازن کے سرداروں سے طائف کا وہ معرکہ پیش آگیا ہو جس میں آپ نے چالیس دن محاصرہ کیے رکھا اور مشرکین مکہ بے خبر سوتے رہے۔ اور پھر اسی سال فتح مکہ کے بعد دوبارہ انھی لوگوں سے حنین کا معرکہ بھی پیش آگیا۔ اس بات کا کوئی امکان ہی نہیں کہ یہ معرکہ محرم سن ۸ ہجری کو پیش آیا تھا۔ اور اگر روایت ۹ ہجری کے محرم کے آغاز کا ذکر کر رہی ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شوال میں حنین کی فتح کے بعد اس کے پاس ہی موجود طائف میں قلعہ بند حنین کے بھگوڑوں کو اگلے سال محرم تک امن سے رہنے دیا گیا اور اگلے سال اچانک محرم میں آکر چالیس دن کا محاصرہ کر کے پکڑ لیا گیا؟ علم و عقل ان حقائق کو کسی

صورت تسلیم نہیں کر سکتے۔ لہٰذا تاریخی لحاظ سے اس میں دو آرا نہیں ہیں کہ غزوۂ طائف شوال ہی میں پیش آیا تھا۔ اِس بات کو مزید محکم خود بخاری ہی نے کر دیا ہے اور موسیٰ بن عقبہ سے روایت کیا کہ یہ غزوہ شوال سن ۸ ہجری میں پیش آیا۔ یہاں کسی کو یہ مغالطہ نہ ہو کہ جس غزوۂ طائف کا ہم ذکر کر رہے ہیں، وہ کوئی اور ہے اور امام محمد کی بیان کردہ روایت کسی اور غزوہ کی طرف اشارہ کر رہی ہے، تو یہ غلط فہمی بھی ذخیرۂ حدیث میں موجود لاتعداد روایات نے دور کر دی ہے، اِس صراحت کے ساتھ کہ یہی وہ غزوۂ طائف تھا کہ جب رسول اللہ نے کئی روز تک مسلسل محاصرہ کیے رکھا۔

اس معرکے پر غور کرتے ہوئے ایک اور پہلو بھی پیش نظر رہے، اگر ہمیں تاریخی واقعات سے یہی خبر پہنچتی کہ غزوۂ طائف حرمت والے مہینوں ہی میں ہوا تھا تب بھی یہ قرآن مجید کے حکم کے عین مطابق ہوتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معرکہ اس قتال کے تسلسل میں تھا جس کا آغاز حنین میں ہوا تھا، اور قرآن مجید نے پہلے ہی اس امکان کی وضاحت کر دی تھی کہ اس صورت حال میں حرمت کے مہینوں میں بھی لڑنا اہل ایمان کے لیے پوری طرح جائز تھا۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد وسیم اختر مفتی

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ

(۲)

[''سیر و سوانح'' کے زیر عنوان شائع ہونے والے مضامین ان کے فاضل مصنفین کی اپنی تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں، ان سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جنگ نہاوند

۱۹ھ (۲۱ھ: طبری): کسکر کے حاکم حضرت نعمان بن مقرن نے خراج کی وصولی کے بجاے جہاد میں حصہ لینے کی خواہش ظاہر کی تو خلیفۂ دوم حضرت عمر نے انھیں نہاوند جانے کی ہدایت کی جہاں ڈیڑھ لاکھ عجمی افواج جمع تھیں۔ حضرت حذیفہ بن یمان اس وقت کوفہ میں اور حضرت ابوموسیٰ اشعری بصرہ میں تھے، حضرت عمر نے انھیں بھی الگ الگ خط لکھ کر نہاوند پہنچنے کا حکم دیا۔ حضرت حذیفہ کی کمان میں عراق کے سرداروں کی بھاری فوج طرز (یاماہ) کے مقام پر حضرت نعمان سے جا ملی۔ حضرت نعیم بن مقرن ان کے ساتھ کوفہ سے آئے، حضرت عبداللہ بن عمر مدینہ سے پہنچے۔ تیس ہزار پر مشتمل حضرت نعمان کی اس فوج میں حضرت جریر بن عبداللہ، حضرت عمرو بن معدیکرب، حضرت طلیحہ بن خویلد اور حضرت قیس بن مکشوح بھی شامل تھے۔ نہاوند پہنچنے پر سرحدی علاقوں میں مقیم مسلمانوں کے دستے نے اپنے سردار انوشق کی سربراہی میں حضرت نعمان کا استقبال کیا۔ حضرت نعمان نے نعرۂ تکبیر سے ان کا جواب دیا۔ انھوں نے سامان اتارنے اور خیمے نصب کرنے کا حکم دیا۔ چودہ ممتاز سرداروں کے لیے خیمے لگائے گئے، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت ربعی

بن عامر، حضرت جریر بن عبد اللہ اور حضرت وائل بن حجر ان میں شامل تھے۔

سامان اتارنے کے بعد حضرت نعمان نے جنگ چھیڑی اور حضرت عمر کی ہدایت کے مطابق اعلان کیا: اگر میں شہید ہو جاؤں تو حذیفہ بن یمان کو سپہ سالار بنا لینا، اگر وہ بھی راہ خدا میں کام آ جائیں تو جریر بن عبد اللہ (یا نعیم بن مقرن) کو اپنا کمانڈر چن لینا، ان کی شہادت کے بعد قیس بن مکشوح کو کمان سونپ دینا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت نعمان نے اس فہرست میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کا نام بھی شامل کیا۔ بدھ اور جمعرات، دو دن کی لڑائی میں کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ جمعہ کے دن ایرانی اپنے قلعے اور خندقوں میں گھس گئے اور بات چیت کرنے کو کہا، حضرت مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا گیا، لیکن ایرانی کمانڈر نے دھمکانے کے علاوہ کچھ نہ کہا تو وہ بھی قتال و غلبہ کی دھمکی دے کر واپس آ گئے۔ حضرت نعمان نے اپنے سالاروں سے مشورہ کیا تو انھیں حضرت طلیحہ کی تجویز پسند آئی کہ گھڑ سوار دستے خندقوں پر کھڑے ہو کر تیر اندازی کریں، پھر پسپا ہو جائیں، اس طرح ایرانی ان کا تعاقب کرتے ہوئے قلعے اور خندقوں سے باہر نکل آئیں گے۔ حضرت نعمان نے حملہ کرنے کے لیے زوال کا انتظار کیا کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اور آپ کی سنت تھی، جمعہ کی نماز پڑھانے کے بعد انھوں نے دو بار نعرۂ تکبیر بلند کیا اور سپاہیوں کو اسلحہ پکڑ کر تیار ہونے کا حکم دیا، مقدمہ پر حضرت نعیم بن مقرن، میمنہ و میسرہ پر حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت سوید بن مقرن کے دستے تھے، حضرت قعقاع بن عمرو سواروں کے اور حضرت مجاشع بن مسعود پیادوں کے سالار تھے۔ تیسرے نعرے پر حضرت قعقاع بن عمرو نے تیر اندازی کر کے حملے کا آغاز کیا۔ ہر فرد چاہتا تھا کہ فتح یا شہادت سے سرفراز ہو۔ دوسری روایت کے مطابق مسلمان فوجیوں اور ان کے گھوڑوں کے پاؤں میں لوہے کے وہ کانٹے چبھے جو ایرانیوں نے راہ میں بکھیر رکھے تھے تو انھوں نے واپس پلٹنے کی چال چلی۔ ایرانیوں نے انھیں پسپا ہوتے دیکھا تو کانٹے صاف کر کے تعاقب میں نکل آئے۔ شدید لڑائی میں حضرت نعمان کا گھوڑا میدان جنگ میں بکھرے ہوئے خون سے پھسلا اور وہ گر گئے۔ اسی اثنا میں دشمن کا ایک تیر ان کو آ لگا اور انھوں نے جام شہادت نوش کیا۔ ان کے بھائی حضرت سوید نے کپڑا ڈال کر ان کا جسم چھپا لیا اور علم دوسرے بھائی حضرت نعیم بن مقرن نے تھام لیا، ان سے حضرت حذیفہ بن یمان نے لے لیا اور حضرت نعمان کی ہدایت کے مطابق کمان سنبھال لی۔ رات گئے ایرانی فوج کو حضرت حذیفہ کی سالاری میں شکست ہوئی، اسلامی فوج نے بھگوڑے ایرانیوں کا پیچھا کیا، لیکن تاریکی کی وجہ سے راستہ بھول گئی۔ ادھر مفرور فوج اسبیذہان کے مقام پر پہنچی تو وہاں جلتی ہوئی آگ میں گر گئی۔ میدان جنگ کے تیس ہزار مقتولین کے علاوہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جلنے والوں کی تعداد اسی ہزار (دوسری روایت: ایک لاکھ) تھی۔ ابن کثیر نے آگ کے مقتولین کا ذکر نہیں کیا، وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک لاکھ سے زائد ایرانی آس پاس کی وادیوں میں گر کر ہلاک ہوئے۔ ایرانی سالار فیرزان کو حضرت نعیم بن مقرن نے ہمدان کی طرف بھاگتے ہوئے ایک گھاٹی میں پکڑ کر مارا۔

مسلمان شہر نہاوند میں داخل ہوئے اور تمام مال و اسباب قبضے میں لے لیا۔ آتش کدے کے منتظم ہربذ نے پناہ دینے کی شرط پر شاہ ایران کا خزانہ حضرت حذیفہ کے سپرد کیا۔ انھوں نے ان جواہرات کو خمس کے ساتھ خاص حضرت عمر کے لیے رکھ لیا اور باقی مال غنیمت سپاہیوں میں بانٹ دیا، سوار کے حصے میں چھ ہزار آئے اور پیادے کو دو ہزار ملے۔ حضرت حذیفہ نے مرج القلعہ، عضی شجر اور فوجی مراکز میں متعین اہل کاروں کو بھی مال غنیمت میں سے حصہ دیا، کیونکہ انھوں نے لڑنے والی فوج کی حفاظت و معاونت کا کام کیا تھا۔ حضرت سائب بن اقرع جواہرات لے کر مدینہ پہنچے تو حضرت عمر نے فوراً حضرت حذیفہ کے پاس واپس بھیج دیے اور انھیں بھی فوج میں بانٹنے کا حکم دیا۔ حضرت حذیفہ اس وقت ماہ میں تھے، جواہرات کی ٹوکریاں جامع کوفہ میں رکھی گئیں، عمرو بن حریث مخزومی نے ان کے بیس لاکھ درہم ادا کیے، یہ رقم بھی مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی۔ بعد میں عمرو نے یہی جواہرات ایرانیوں کے ہاتھ چالیس لاکھ میں فروخت کیے۔

ہمدان، ماہین اور ماہ دینار کی فتح

محرم ۱۹ھ: شکست خوردہ ایرانی فوج کا ایک حصہ ہمدان پہنچا، اسلامی فوج کے گھڑ سوار ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ وہ شہر میں داخل ہوئے تو گھڑ سواروں نے انھیں دبوچ لیا اور ان کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ یہ دیکھ کر حاکم خسرو شنوم نے امان مانگی اور ہمدان اور دستبی کے شہروں کی طرف سے صلح کا ہاتھ بڑھایا۔ ہمدان کے زیر ہونے کے بعد اہل ماہین نے حضرت حذیفہ بن یمان کو خط لکھ کر صلح کی درخواست کی۔ ان سے صلح کے بعد حضرت حذیفہ نے ماہ دینار کو فتح کیا۔ اس کی تفصیل اس طرح بیان کی جاتی ہے: نہاوند کے محاصرے کے دوران میں نو ایرانیوں کا گروپ قلعہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے لگا۔ سماک بن عبید نے انھیں دعوت مبارزت دی اور ایک ایک کر کے آٹھ جنگجوؤں کو قتل کر دیا۔ انھوں نے نویں شخص دینار کی جان بخشی کی اور اسلحہ چھین کر اسے قید کر لیا۔ اس نے کہا کہ تم نے مجھے قتل نہ کر کے احسان کیا ہے، مجھے اپنے امیر کے پاس لے چلو۔ دینار کو حضرت حذیفہ کے پاس لے جایا گیا۔ اس نے سماک کی بہادری کی تعریف کی اور خراج دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ اس طرح یہ علاقہ اس کے نام سے موسوم ہو کر ماہ دینار ہو گیا۔

ماہ دینار کے ساتھ حضرت حذیفہ نے جو معاہدہ کیا، اس کی عبارت یہ تھی: ہم اہل ماہ دینار کو جان و مال اور اراضی پر پناہ دیتے ہیں، ان پر حملہ کریں گے نہ ان کے مذہبی قوانین میں تبدیلی کی جائے گی جب تک وہ مسلمان حکام کو جزیہ دیتے رہیں گے۔ وہ مسافر کو راستہ بتائیں گے اور اپنے پاس سے گزرنے والے مسلمان سپاہیوں کو قیام و طعام مہیا کریں گے۔ اگر انھوں نے دھوکا دینے کی کوشش کی تو ان کی حفاظت کی ذمہ داری ہم سے ساقط ہو جائے گی۔

ابن اثیر کہتے ہیں: رے اور دینور بھی حضرت حذیفہ کے ہاتھ فتح ہوئے۔ الجزیرہ کی فتح میں وہ شریک ہوئے۔

۲۱ھ: فتح نہاوند کے بعد حضرت حذیفہ بن یمان سرزمین دجلہ کے (tax collector) کے منصب پر لوٹ آئے۔

اہل آذربائیجان کی صلح اور عہد شکنی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۲۲ھ: فتح نہاوند کے بعد اہل آذربائیجان نے آٹھ لاکھ درہم سالانہ جزیہ کے عوض حضرت حذیفہ بن یمان کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیا۔ حضرت عمر کی شہادت کے بعد انھوں نے جزیہ ادا کرنا چھوڑ دیا۔ ۲۴ھ میں خلیفۂ سوم حضرت عثمان نے حضرت ولید بن عقبہ کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو انھوں نے آذربائیجان اور آرمینیا پر پھر فوج کشی کی۔ نتیجے میں آذربائیجان کے باشندے صلح پر مجبور ہوئے اور آٹھ لاکھ سالانہ خراج دینے کے معاہدے کی تجدید کی۔ طبری کی روایت کے مطابق آذربائیجان جانے سے پہلے حضرت حذیفہ بن یمان رے کی مہم پر جا رہے تھے۔ اہل کوفہ کی کمان ان کے پاس تھی، انھیں اور حضرت سعید بن العاص کو حضرت عبدالرحمٰن بن ربیعہ کی مدد کے لیے باب بھیجا، وہاں سے دونوں آذربائیجان پہنچے۔ حضرت حبیب بن مسلمہ (حبیب الروم) باب کی حکمرانی چاہتے تھے۔ حضرت حذیفہ اور ان کے بعد آنے والوں نے انھیں اس منصب پر برقرار رکھا۔ ۲۴ھ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری نے رے فتح کیا، جب یہاں کے لوگوں نے حضرت حذیفہ بن یمان کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے کی خلاف ورزی کی۔

مدائن کی گورنری

حضرت حذیفہ حضرت عمر کی وفات تک مدائن کی گورنری پر فائز رہے۔ حضرت عمر نے ان کے پروانۂ تقرری

میں لکھا: میں تمھارے پاس حذیفہ بن یمان کو بھیج رہا ہوں، اس آدمی کا عظیم الشان مرتبہ ہے۔ اس کی بات سنو اور مانو اور جو مانگے اسے دے دو۔ مدائن کے بڑے بڑے لوگ ان کے استقبال کو آئے، وہ ایک خچر (یا گدھے) پر پالان ڈالے، ٹانگیں ایک طرف لٹکائے ہوئے بیٹھے تھے۔ ایک ہاتھ میں روٹی اور دوسرے میں ہڈی (دوسری روایت: نمک کی ڈلی) تھی۔ لوگوں نے پوچھا: امیر کون ہیں ؟ انھیں بتایا گیا: یہی ہیں۔ انھوں نے سلام کیا تو حضرت حذیفہ نے روٹی اور ہڈی ان میں نمایاں نظر آنے والے سردار کو تھما دی۔ ان کی نگاہ دوسری طرف ہوئی تو اس سردار نے روٹی اور ہڈی یا ڈلی پھینک دی (یا اپنے خادم کو دے دی)۔ حضرت حذیفہ نے حضرت عمر کا پروانہ پڑھ کر سنایا تو انھوں نے پوچھا: آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں ؟ کہا: میں اپنا کھانا اور اپنے گدھے کی گھاس کا تقاضا کرتا ہوں۔ پھر کہا: میں تمھیں فتنوں کے مقامات سے دور رہنے کی تلقین کرتا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا: وہ کون سے ہیں ؟ کہا: امرا کے دروازے، جو ان کے ہاں جاتا ہے، جھوٹی تعریفیں کرتا ہے۔ کچھ مدت گزری تو حضرت عمر نے انھیں مدینہ بلایا۔ ان کے پہنچنے کا وقت ہوا تو حضرت عمر ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گئے۔ انھوں نے حضرت حذیفہ کو اسی حال میں دیکھا جس میں گئے تھے تو سامنے آئے، انھیں چمٹا لیا اور کہا: تو میرا بھائی ہے اور میں تیرا بھائی ہوں۔

مدائن کی گورنری کے زمانہ میں حضرت حذیفہ نے ایک اہل کتاب خاتون سے نکاح کر لیا۔ اس پر حضرت عمر نے انھیں اس خاتون کو طلاق دینے کا حکم بھیجا۔ حضرت حذیفہ نے جواب تحریر کیا: میں اس وقت تک طلاق نہ دوں گا جب تک مجھ پر یہ واضح نہ کریں کہ آیا میرا عمل حلال تھا؟ اور آپ کس وجہ سے طلاق دینے کا حکم دے رہے ہیں ؟ حضرت عمر نے لکھا: تمھارا نکاح حلال ہے، لیکن عجمی عورتوں میں اس قدر دل ربائی ہے کہ وہ تمھاری دوسری بیویوں پر غالب آ جائیں گی۔ تب حضرت حذیفہ نے اس عورت کو طلاق دے دی اور جواب دیا: بات میری سمجھ میں آگئی ہے۔

حضرت حذیفہ نے نصیبین میں سکونت اختیار کی تو وہاں شادی کی۔

عہد عثمانی: معرکۂ طبرستان

۳۰ھ میں حضرت سعید بن العاص کی سربراہی میں فوج خراسان کی طرف روانہ ہوئی۔ حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت عبداللہ بن زبیر اس معرکے میں شامل ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عامر بصرہ سے چلے اور

حضرت سعید سے پہلے ابر شہر پہنچ گئے۔ حضرت سعید کو پتا چلا تو انھوں نے رخ بدل لیا، پہلے قومس پہنچے جہاں کے باشندگان فتح نہاوند کے بعد حضرت حذیفہ بن یمان کے ہاتھ پہلے ہی صلح کا معاہدہ کر چکے تھے۔ ان کا اگلا پڑاؤ جرجان تھا، ان سے دو لاکھ خراج سالانہ کا عہد نامہ لکھوانے کے بعد وہ طبرستان کے ساحلی شہر طمیسہ آئے۔ یہاں کے لوگ آمادہ بہ جنگ ہوئے تو حضرت سعید بن العاص نے کھڑے ہو کر پوچھا: کس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلٰوۃ الخوف ادا کی ہے؟ حضرت حذیفہ بولے: میں نے۔ چنانچہ ان کے کہنے کے مطابق حضرت سعید نے ایک گروپ کو ایک رکعت پڑھائی اور دوسرے گروپ کو دوسری اور دونوں گروپوں نے رہ جانے والی رکعت ادا نہ کی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دوسری رکعت بھی ادا کی گئی (ابوداؤد، رقم ۱۲۴۵۔ نسائی، رقم ۱۵۳۰۔ احمد، رقم ۲۳۳۸۹)۔ کچھ دیر قتال کے بعد اہل طمیسہ قلعہ بند ہوئے، پھر امان کی درخواست کی۔ حضرت سعید نے اس شرط پر امان دی کہ وہ ان کا ایک آدمی زندہ چھوڑ دیں گے۔ قلعے کا دروازہ کھلا تو حضرت سعید نے ایک شخص کے علاوہ سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور مال و دولت پر قبضہ کر لیا۔

حضرت حذیفہ ہر جمعہ کو مدائن سے کوفہ آتے، ان کا گدھا سبک رفتار تھا۔

حضرت عثمان کے خلاف سازشیں

۳۴ھ کوفہ حضرت عثمان کے خلاف سازشوں کا مرکز بن گیا۔ یزید بن قیس نے مسجد کوفہ کو ٹھکانا بنا کر عبداللہ بن سبا کے ساتھیوں سے رابطے شروع کیے۔ حضرت قعقاع بن عمرو نے اسے مسجد سے نکالا تو اس نے گھر میں بیٹھے یہ سلسلہ جاری رکھا۔ جمعہ کے روز اشتر بن مالک مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو گیا اور لوگوں کو حضرت عثمان کے مقرر کردہ گورنر حضرت سعید بن العاص کے خلاف اکسانے لگا۔ حضرت ابومسعود انصاری اور حضرت حذیفہ بن یمان اس موقع پر موجود تھے۔ حضرت ابومسعود نے حالات کی سنگینی کو دیکھ کر کہا: بخدا، لگتا ہے کہ بہت خون ریزی ہو گی۔ حضرت حذیفہ نے کہا: واللہ، اس واقعہ کے نتیجہ میں ایک قطرہ خون نہ بہے گا (مسلم، رقم ۷۲۷۱۔ احمد، رقم ۲۳۳۴۸)۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اشتر اور یزید کوفہ سے نکل کر جرعہ کے مقام پر رکے تو حضرت سعید ان سے ملے اور کہا: تمھیں کوئی مسئلہ تھا تو مجھ سے اور امیر المومنین عثمان سے رابطہ کرتے۔ پھر وہ مدینہ پہنچے اور حضرت عثمان کو بتایا کہ لوگ ابوموسیٰ اشعری کو گورنر دیکھنا چاہتے ہیں۔ حضرت عثمان نے فوراً انھیں ہٹا کر حضرت ابوموسیٰ کو گورنر بنا دیا۔ انھوں نے حضرت حذیفہ کو جنگ باب میں شامل ہونے کا حکم دیا۔ حضرت حذیفہ نے باب کے مقام پر تین جنگیں لڑیں۔ تیسری جنگ کے موقع پر انھیں حضرت عثمان کی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

شہادت کی خبر ملی۔ انھوں نے بد دعا کی: اے اللہ، عثمان کے قاتلوں پر، ان سے جنگ کرنے والوں پر اور ان سے عداوت رکھنے والوں پر لعنت بھیج۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذاتی تعلق

حضرت حذیفہ بن یمان بتاتے ہیں: میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدل جا رہے تھے۔ آبادی کا کوڑا خانہ آیا تو آپ نے اس کی دیوار کے پیچھے کھڑے ہو کر پیشاب کیا اور مجھے پیچھے کھڑے رہ کر نگرانی کا حکم دیا۔ پھر پانی لانے کو کہا، اس سے وضو فرمایا اور موزوں پر مسح کیا (بخاری، رقم ۲۲۵۔ مسلم، رقم ۶۲۵۔ ابوداؤد، رقم ۲۳۔ ترمذی، رقم ۱۳۔ نسائی، رقم ۱۸۔ احمد، رقم ۲۳۲۴۸)۔

ایک صبح حضرت حذیفہ بن یمان کا سامنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حالت میں ہوا کہ وہ جنبی تھے۔ آپ ہر ملنے والے صحابی کو چھو کر دعا دیتے تھے، اس لیے انھوں نے رخ موڑا اور غسل کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پھر بتایا کہ جنابت لاحق ہونے کی وجہ سے وہ ڈرتے تھے کہ کہیں آپ ان کو چھو نہ لیں۔ آپ نے فرمایا: مسلمان پلید نہیں ہوتا (مسلم، رقم ۸۲۵۔ ابوداؤد، رقم ۲۳۰۔ نسائی، رقم ۲۶۸۔ ابن ماجہ، رقم ۵۳۵۔ احمد، رقم ۲۳۴۱۶)۔

حضرت حذیفہ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پنڈلی کا پٹھا پکڑ کر فرمایا: تہ بند یہاں تک ہونا چاہیے، اگر تمھارا دل نہیں مانتا تو ذرا نیچے باندھ لو، دل پھر بھی نہ چاہے تو ٹخنوں سے نیچے باندھنے کا تمھیں حق نہیں (ترمذی، رقم ۱۷۸۳۔ نسائی، رقم ۵۳۳۱۔ ابن ماجہ، رقم ۳۵۷۲۔ احمد، رقم ۲۳۲۴۳)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ

حضرت حذیفہ بن یمان بیان کرتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ فرمایا: گنو کتنے آدمی اسلام کے قائل ہیں۔ ہم نے کہا: کیا آپ دشمنوں کی طرف سے ہم پر کوئی آفت آنے کا خدشہ رکھتے ہیں؟ ہم چھ سے سات سو (مسلم، بخاری: پندرہ سو) تک ہیں۔ فرمایا: تمھیں کیا معلوم، کسی مصیبت میں نہ پڑ جاؤ۔ حضرت حذیفہ کہتے ہیں: ایسا ہی ہوا، ہم پر ایسی آزمایش آئی کہ ہم میں سے کچھ لوگ نماز بھی چھپ چھپ کر پڑھنے لگے (بخاری، رقم ۳۰۶۰۔ مسلم، رقم ۳۷۷۔ ابن ماجہ، رقم ۴۰۲۹۔ احمد، رقم ۲۳۲۵۹)۔ نووی کہتے ہیں: چھ سات سو والی روایت میں مدینہ شہر کے مرد مراد ہیں اور مضافات کے مردوں کو شامل کر کے یہ تعداد پندرہ سو

ہو جاتی ہے۔ شارحین مسلم کا خیال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق یا غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر یہ ارشاد فرمایا۔ صحابہ کو آپ کی وفات کے بعد عہد عثمانی میں ظاہر ہونے والے فتنوں میں یہ آزمایش پیش آئی جب لوگ اس لیے چھپنے لگے تھے کہ انھیں بھی جنگ و جدال میں گھسیٹ نہ لیا جائے۔ شبیر احمد عثمانی کہتے ہیں: حجاج بن یوسف کے دور میں یہ آزمایش شدید تر تھی، جب حضرت حذیفہ وفات پا چکے تھے۔

نفاق اور منافقین

ایک شخص نے حضرت حذیفہ سے سوال کیا کہ نفاق کیا ہے؟ تو جواب دیا: یہ کہ تو اسلام کی باتیں کرے اور اس پر عمل نہ کرے۔

حضرت حذیفہ کہتے ہیں: مجھے نہیں معلوم، میرے ساتھیوں کو بھول گیا ہے یا وہ اس کا اظہار نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر دنیا ختم ہونے تک کے تین سو فتنہ گر لیڈروں میں کوئی ایسا نہیں کہ آپ نے اس کا نام، ولدیت اور قوم بیان نہ کی ہو (ابوداؤد، رقم ۴۲۴۳)۔

جنگ تبوک میں منافقین کی کارروائی کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ سے پوچھا: کیا تم نے منافقین کو یا ان میں سے کسی کو پہچانا؟ حضرت حذیفہ نے کہا: میں نے فلاں فلاں کی سواری پہچان لی۔ رات کی تاریکی تھی، میں ان پر حملہ آور ہوا تو وہ نقاب اوڑھے ہوئے تھے، اس وجہ سے پہچانے نہ جا سکے۔ آپ نے حضرت حذیفہ کو ان بارہ یا چودہ آدمیوں کے نام بتا دیے اور صیغۂ راز میں رکھنے کا حکم دیا۔ حضرت حذیفہ کے اس مشورے پر کہ انھیں قتل کرا دیا جائے۔ آپ نے فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ لوگ کہیں کہ محمد اپنے ساتھیوں کو مروا دیتے ہیں (احمد، رقم ۲۳۶۸۲)۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: آپ نے حضرت حذیفہ کو بھیج کر ان سب کو بلایا اور ان کی سازش سے آگاہ کیا۔ آپ نے صحابہ کی اس تجویز سے اتفاق نہ کیا کہ ان کے قبائل کو ان کا سر قلم کرکے پیش کرنے کی ذمہ داری سونپی جائے۔ آپ نے بد دعا فرمائی: اللہ ان کو دبیلہ (لفظی معنی: مصیبت، پیٹ کی بیماری، پھوڑا) کی مار پڑے۔ صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ، یہ دبیلہ کیا ہے؟ فرمایا: آگ کا شعلہ ہے جو ہر منافق کے دل کی رگ پر لگے گا اور اسے ہلاک کر دے گا۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہ بارہ منافق جنت میں ہرگز داخل نہ ہوں گے، حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے گزر جائے، آٹھ کے شر سے تم مسلمانوں کو دبیلہ بچا دے گا، یہ آگ کا چراغ (سلگتا ہوا پھوڑا) ہو گا جو ان کے کندھوں سے نمودار ہو گا اور چھاتیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا (مسلم، رقم ۷۱۳۷)۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

گھاٹی کے منافقین

زبیر بن بکار نے تبوک کی گھاٹی میں سازش کرنے والے منافقین کے نام اس طرح گنوائے: (۱) معتب بن قشیر، غزوۂ احد کے موقع پر اس نے کہا تھا: 'لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا'، ''اگر معاملہ ہمارے ہاتھ میں کچھ بھی ہوتا تو یہاں نہ مارے جاتے'' (آل عمران ۳: ۱۵۴)۔ (۲) ودیعہ بن ثابت، جو اپنی مجلسوں میں اللہ و رسول کا مذاق اڑاتا تھا، اس کی بازپرس کی گئی تو کہا: 'اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ'، ''ہم تو ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے'' (التوبہ ۹: ۶۵)۔ (۳) جِد بن عبد اللہ، اس کے بارے میں جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا: یہ شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اس کا کلیجہ گدھے کا ہے، منافقین کو آپ کی باتیں بتاتا ہے۔ (۴) حارث بن یزید، وہ شخص تھا جس نے تبوک سے واپسی پر راہ میں آنے والی وادی مشقق میں قطرہ قطرہ کر کے ٹپکنے والے چشمے وشل کی طرف لپک کر پانی پی لیا جسے چھونے سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔ آپ پہنچے تو پانی خشک ہو چکا تھا، آپ نے منبع پر اپنا دست مبارک رکھا تو پانی پھر جاری ہو گیا۔ (۵) اوس بن قیظی منافقین کے اس گروہ سے تعلق رکھتا تھا جس نے جنگ خندق کے موقع پر بہانہ سازی کر کے راہ فرار اختیار کی: 'وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ط وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ج اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا'، ''ان منافقوں کا ایک گروہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہہ کر اجازت طلب کرتا رہا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ ان کے گھر چنداں خطرے میں نہ تھے، یہ تو (محاذ جنگ سے) فرار حاصل کرنا چاہتے تھے'' (الاحزاب ۳۳: ۱۳)۔ (۶) جلاس بن سوید، یہ بعد میں نفاق سے تائب ہوا۔ (۷) سعد بن زرارہ، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نفرت پھیلاتا تھا، حالاں کہ عمر میں سب منافقین سے چھوٹا تھا۔ (۸) قیس بن قہد۔ (۹) سوید۔ (۱۰) داعس، ان دونوں نے جنگ تبوک کے موقع پر عبد اللہ بن ابی کو وسائل فراہم کیے تاکہ وہ لوگوں کو جنگ میں حصہ لینے سے روکے۔ (۱۱) قیس بن عمرو۔ (۱۲) زید بن لصیت، یہ دونوں بنو قینقاع سے تعلق رکھتے تھے، اصل میں یہودی تھے، لیکن اسلام کا دکھاوا کرتے رہے۔ (۱۳) سلامہ بن حمام بھی بنو قینقاع سے تھا (المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۳۰۱۷)۔

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق گھاٹی کے منافقوں کے نام یہ ہیں: عبد اللہ بن ابی، سعد بن ابی سرح، ابو حاضر اعرابی، عامر، ابو عامر، جلاس بن سوید، مجمع بن جاریہ، فلیح تیمی، حصین بن نمیر، طعمہ بن ابیرق، عبد اللہ بن عیینہ اور مرہ بن ربیع۔ ان میں سے عبد اللہ بن ابی نے تبوک کا رخ ہی نہیں کیا (دلائل النبوۃ، بیہقی ۵/ ۲۵۸)۔

نفاق اور حضرت عمر

حضرت عمر نے حضرت حذیفہ کو قسم دے کر پوچھا کہ میرا نام ان منافقین میں تو شامل نہیں جن کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھیں دی؟ حضرت حذیفہ نے بتایا کہ نہیں، ساتھ کہا کہ میں آپ کے بعد کسی کو بری قرار نہ دوں گا تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا راز فاش کرنے والا نہ بن جاؤں۔ حضرت عمر نے یہ بھی پوچھا: کیا میرے عمال میں سے کوئی منافق ہے؟ حضرت حذیفہ نے کہا: ہاں ایک ہے، لیکن نام نہ بتایا۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت عمر نے اس عامل کو معزول کر دیا، گویا انھیں پتا چل گیا تھا۔ حضرت عمر کا طریقہ تھا کہ جب کوئی میت جنازے کے لیے لائی جاتی تو دیکھتے کہ حضرت حذیفہ موجود ہیں، اگر وہ ہوتے تو جنازہ پڑھا دیتے اور اگر حضرت حذیفہ نہ ہوتے تو وہ نماز جنازہ میں شامل نہ ہوتے۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد ذکوان ندوی

سازش کا نظریہ

سازش کا نظریہ اِس معنی میں درست نہیں کہ آدمی اپنے تمام مسائل و اِدبار کی ذمہ داری دوسروں پر عائد کر دے اور پھر یہ سمجھے کہ اب ہمارا کام صرف اُنھیں مطعون کرنا ہے۔ اِسی طرح سازش کی عدم موجودگی کا نظریہ بھی خلاف واقعہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک دوطرفہ معاملہ ہے۔ کوئی سازش صرف اُسی وقت موثر ہو سکتی ہے جب زیر سازش فرد یا گروہ کے پاس اُس کے تدارک کا سامان موجود نہ ہو۔ سازش اصل میں حسد اور عدوان ہی کا دوسرا نام ہے، جو بالکل ایک بدیہی ظاہرہ ہے۔ ایسی حالت میں شیاطین الانس والجن، دونوں کے 'کید' (سازش) سے واقفیت اور اُس کے لیے ضروری تدبیر لازمی ہے۔

قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے (یوسف ۱۲: ۵)۔ اِسی طرح مختلف انداز سے بتایا گیا ہے کہ یہ شیاطین معروف معنوں میں صرف 'شیاطین الجن' نہیں، بلکہ وہ اپنے 'قبیلہ'، 'ذریت'، 'اولیا' اور 'شیاطین الانس' کی شکل میں سرگرم عمل ہوتے ہیں۔ شیاطین الجن اُنھی کے تعاون اور تحالف سے اپنے بہت سے کام کرتے ہیں۔ اِس سلسلے میں درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا. (الانعام ۶: ۱۱۲)

''(یہ معاملہ صرف تمھارے ساتھ نہیں ہے)۔ ہم نے انسانوں اور جنوں کے اَشرار کو اِسی طرح ہر نبی کا دشمن بنایا۔ وہ دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کو پر فریب باتیں اِلقا کرتے رہتے ہیں۔''

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ.(الفرقان ۲۵: ۳۱)

”(یہ جس طرح تمھارے دشمن بن کر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، اے پیغمبر)، ہم نے اِسی طرح مجرموں میں سے ہر نبی کے دشمن بنائے ہیں۔“

وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ.(الانعام ۶: ۱۲۱)

”اور متنبہ رہو کہ شیاطین اپنے ایجنٹوں کو القا کر رہے ہیں کہ وہ (اِس معاملے میں بھی) تم سے جھگڑیں۔“

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ. (الانعام ۶: ۱۲۸)

”اے جنوں کے گروہ، تم نے تو انسانوں میں سے بہتوں کو اپنا لیا۔ چنانچہ انسانوں میں سے اُن کے ساتھی (فوراً) کہیں گے: پروردگار، ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے سے خوب حظ اٹھایا۔“

اِسی طرح قرآن میں ’کید‘ اور ’مکر‘ کے الفاظ بھی بار بار استعمال کیے گئے ہیں۔ مثلاً ملاحظہ ہو:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ. (الانفال ۸: ۳۰)

”اُس وقت کو یاد رکھو، (اے پیغمبر)، جب منکرین تمھارے معاملے میں سازش کر رہے تھے کہ تمھیں قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا (ملک سے) نکال دیں۔ وہ یہ سازش کر رہے تھے اور اللہ بھی اپنی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر فرمانے والا ہے۔“

وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ.(سبا ۳۴: ۳۳)

”دبے ہوئے لوگ متکبرین کو جواب دیں گے کہ نہیں، بلکہ تمھاری دن رات کی چالیں تھیں جو یہاں تک لے آئی ہیں، جب کہ تم ہمیں سمجھاتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور اُس کے شریک ٹھیرائیں۔“

اِسی طرح ارشاد ہوا ہے:

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓی اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ. (یوسف ۱۲: ۵)

''جواب میں اُس کے باپ نے کہا: بیٹا، اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا، ایسا نہ ہو کہ وہ تمھارے خلاف کوئی سازش کرنے لگیں۔ اِس میں شبہ نہیں کہ شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے۔''

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا. وَّاَكِيْدُ كَيْدًا. (الطارق ۸۶: ۱۵-۱۶)

''یہ ایک چال چل رہے ہیں اور میں بھی ایک چال چل رہا ہوں۔''

تدبیر کار

جس طرح سازش کی نفی کا نظریہ حقیقت واقعہ کے خلاف ہے، اُسی طرح یہ روش بھی انتہائی مہلک ہے کہ آدمی دوسروں کو اپنے تمام تر مسائل کا ذمہ دار بتا کر نہ خود اُس کے متعلق متنبہ رہے اور نہ اُس کا حقیقی تدارک کرنے کی کوشش کرے۔ اِس کے برعکس، ایک مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے زمانے سے باخبر (أن يكون بصيرًا بزمانه) رہتے ہوئے اِس معاملے میں خدا اور رسول کے بتائے ہوئے طریقوں پر پوری طرح عمل کرے۔ قرآن و سنت کے مطابق، یہ ہدایات اصلاً دو ہیں:

۱۔ علم نافع

۲۔ اخلاق حسنہ

علم نافع سے مراد قرآن و سنت اور وقت کے تقاضوں کے مطابق، تمام مفید اور ضروری علم کا حصول ہے۔ اِسی طرح اخلاق حسنہ سے مراد معروف قسم کی ''خوش اخلاقی'' نہیں۔ اخلاق ایک گہرا اور وسیع لفظ ہے۔ اِس سے مراد تمام اعلیٰ انسانی اوصاف ہیں۔ جیسے تواضع، ضبط نفس، شعوری بلندی، عقلی پختگی، سخت کوشی، جرأت، دیانت، بااصول زندگی اور انسانی ہم دردی، وغیرہ۔ اہل ایمان کی نسبت سے قرآن میں اِنھی صفات کو ایمان و عمل صالح اور صبر و تقویٰ کے جامع ترین الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ یہاں 'عمل صالح' سے مراد صرف معروف قسم کے مراسم (نماز و روزہ و قربانی و حج) نہیں ہیں، قرآن میں 'عمل صالح' سے مراد ہر وہ عمل ہے جو انسان کی بھلائی اور خدا کی مرضی کے تحت کیا گیا ہو۔ یہاں جس طرح نماز اور تلاوت ایک 'عمل صالح' ہے، اُسی طرح دوسرے کارہاے خیر، انسانی ہم دردی اور

فطرت کا مطالعہ بلاشبہ ایک 'عمل صالح' کی حیثیت رکھتا ہے۔

اِس حقیقت کو سمجھنے کے لیے یہاں صرف دو روایات کا مطالعہ کافی ہو گا۔ اِس کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'لأن يمشي أحدُكم مع أخيه في قضاء حاجة، وأشار بإصبعه، أفضل من أن يعتكف في مسجدي هذا شهرَين'[1]، یعنی تم میں سے کسی شخص کا اپنے بھائی کی حاجت برآری کے لیے نکلنا میری اِس مسجد (مسجد نبوی) میں دو ماہ کے اعتکاف سے زیادہ بہتر ہے۔ اِسی طرح آپ کا ارشاد ہے: 'تفكُّرُ ساعةٍ، خيرٌ مِن قيامِ ليلةٍ'[2]، یعنی ایک لمحے کا غور و فکر رات بھر کے قیام سے بہتر ہے۔

مذکورہ ارشادات رسول سے یہ حقیقت بالکل مبرہن ہو جاتی ہے کہ خدا کے دین میں صرف معروف مراسم کا نام عبادت اور عمل صالح نہیں، بلکہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے تمام 'کارہاے خیر'[3] اِس میں شامل ہیں ——— اور یہی وہ چیز ہے جس کے ذریعے سے آدمی شیاطین جن و انس کے تمام حربوں کو ناکام بنا سکتا ہے۔

(علی گڑھ، ۲۸ر فروری ۲۰۲۰ء)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۱۔ السلسلة الصحيحة، رقم ۶۰۷۔

۲۔ مصنَّف ابن أبي شيبة، رقم ۳۵۷۲۸۔ الزهد، أحمد بن حنبل، رقم ۷۵۰۔

۳۔ البقرہ ۲: ۱۴۸۔ آل عمران ۳: ۱۱۴۔ المائدہ ۵: ۴۸۔ الانبیاء ۲۱: ۹۰۔ الحج ۲۲: ۷۸۔

محمد تہامی بشر علوی

حفظ مراتب

اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب میں ہمیں ایک اہم ہدایت دی ہے[1]۔ اس اہم ہدایت کو اپنی ساری زندگی میں پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔ اس مرکزی ہدایت کی دین میں اہمیت ایسی ہے کہ اگر اس کو نظر انداز کر دیا جائے تو یہ دنیا فساد سے بھر جائے۔ دنیا میں انسان رہتا ہے تو تعلق داری کی بنیاد پر ہی رہتا ہے۔ کوئی انسان ایسا نہیں ہے کہ وہ دنیا میں آئے تو کسی بندے کے ساتھ اس کا تعلق ہی نہ ہو اور وہ تنہا ہی اس دنیا میں آئے اور تنہا ہی چلا جائے۔ ان تعلقات کو اپنے مراتب کے لحاظ سے عملی زندگی میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اسی کو ''حفظ مراتب'' کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس دنیا میں آتے ہی تعلقات وجود میں آجاتے ہیں۔ اولاد کا والدین سے تعلق ہوتا ہے، رشتہ داروں سے تعلق ہوتا ہے، دوستانہ تعلقات ہوتے ہیں، استاذ شاگرد کا رشتہ وجود میں آجاتا ہے۔ گو کہ لوگوں کو عام طور پر اس کا احساس نہیں ہوتا، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارا ایک بنیادی اور بڑا تعلق خود ہمارے خالق سے ہوتا ہے اور خالق کی ہدایات ہمیں رسولوں کے ذریعے سے ملتی ہیں۔ اس وجہ سے مسلمان کا ایک بڑا تعلق خدا کے رسولوں سے بھی ہوتا ہے۔ زبانی طور پر ان دو رشتوں کا اعتراف الگ بات ہے، جب کہ عملی زندگی میں ان دو رشتوں کو کوئی اہمیت دینا بالکل الگ بات ہے۔

الغرض، ہر انسان تعلقات میں بندھا ہوا ہوتا ہے۔ ان تعلقات میں بھی جن کا وہ احساس کر رہا ہوتا ہے اور ان

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۱۔ ۳۳: ۶۔ 'اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا'۔

تعلقات میں بھی جن کا وہ احساس نہیں کر پاتا۔ ان تعلقات میں گھرے انسان کو زندگی جینے میں کیا درست طرز عمل اختیار کرنا چاہیے ؟ ان تعلقات میں ترجیح کیسے قائم کرنی ہے؟ کس تعلق کو کتنی اہمیت دینی ہے؟ جو تعلق ہمارے احساس سے محو ہو گیا، اسے کیسے واپس احساس کے پردے پر لانا ہے؟ وغیرہ۔ اس حوالے سے انسان کا غلط رویہ فساد کا سبب بن جاتا ہے۔ یہ ایک بنیادی اور بڑا مسئلہ ہے کہ وہ رشتوں کا درست ادراک کر کے ان میں توازن قائم کر سکے۔

رشتوں میں مقام اور ترجیح کا مسئلہ ایک بنیادی مسئلہ ہے۔ خدا نے ضروری سمجھا کہ انسانوں کو اس بارے میں بنیادی رہنمائی وہ خود فراہم کر دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان تمام رشتوں میں، حتیٰ کہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ حق، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو گا۔ کیا مطلب؟ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں موجود تھے اور جن لوگوں کو ان کی صحبت یا ساتھ نصیب ہوا، جیسے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تھے، ان سے یہی تقاضا تھا کہ وہ اپنے تمام رشتوں اور تعلق داری میں سب سے زیادہ اہمیت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیں گے۔ لیکن آج اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی حیثیت میں یہاں موجود نہیں ہیں، تو کیسے ہم ان کو اہمیت دیں گے؟ وہ جتنا عرصہ یہاں اس دنیا میں رہے تو وہ خدا کے نمایندے کی حیثیت سے ہمارے لیے خدا کی ہدایات چھوڑ کر گئے ہیں۔

اب ہمیں تمام رشتوں اور اپنی ذات پر بھی اُن کو ترجیح دینی ہو گی۔ ان کا پیغام کون سا تھا؟ آخری حج کے موقع پر اپنے آخری خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: ایک کتاب اللہ اور دوسری رسول اللہ کی سنت اور جب تک تم ان دونوں کو تھامے رکھو گے، تم کبھی بھی راہ ہدایت سے بھٹکو گے نہیں[۲]۔ مثال کے طور پر کل ہم نے جو ایک ہدایت پڑھی تھی کہ اگر ہمیں اپنی جان کے خلاف بھی گواہی دینی پڑ جائے تو تب بھی ہم دیں گے۔ اسی طرح ہم اس موقع پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دے رہے ہیں۔ نبی کا حق اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی جان سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی جو بیویاں ہوں گی، وہ تمھارے لیے ماؤں کے مانند ہوں گی۔ مومنین پر لازم ہے کہ ازواج مطہرات کو ماؤں کا درجہ دیں۔

۲۔ موطا امام مالک، رقم ۳۳۳۸۔ 'تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ'۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد، ان کے ساتھ کسی مومن کی مناکحت درست نہیں ہے۔ پھر فرمایا: اس کے بعد جو تمھارے رحم کے رشتہ دار ہیں، یعنی باپ اور ماں کی طرف سے ددھیال اور ننھیال کے سارے رشتے حقوق میں باقی سے زیادہ قریب ہوں گے۔ آپ کا مال ہے تو مرنے کے بعد میراث تقسیم ہو گی۔ اس میں آپ کے جو قریبی رشتہ دار ہیں، پہلے ان کا یہ حق ہو گا۔ آپ ایسا نہیں کر سکتے کہ مرنے سے پہلے آپ کسی اور کے نام سارا مال شفٹ کر کے چلے جائیں اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو محروم کر لیں۔ یہ اللہ کا ٹھیرایا ہوا ایک دستور ہے، اس کو توڑ کر زمین میں فساد پھیل جائے گا۔ خدا کے دین میں شرک اور کفر کے بعد رشتوں کو کاٹنا بدترین جرم قرار دیا گیا ہے۔ ایک سچے مسلمان کو چاہیے کہ وہ خدا کے اس قانون کو کبھی نہ توڑے، وہ انا کی قربانی دے کر رشتوں کو قائم رکھنے کا ایمانی تقاضا پورا کرے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی آپ سے تعلق توڑ دے تو آپ اس سے جوڑ دیں، یعنی جوڑنے میں آپ آگے رہیں گے۔ ایسا کر کے آپ کسی پر احسان نہیں کریں گے، بلکہ اپنے مانے ہوئے خدا کے قانون کا احترام کر کے اس سے اجر پائیں گے۔ مومن کا معاملہ اپنے خدا سے ہوتا ہے۔ وہ ساری مخلوق کو خدا کی مخلوق کے طور پر دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ وہ اس لیے جوڑنے میں پہل کر لیتے ہیں کہ وہ یہ جان رہے ہوتے ہیں کہ ان کے خدا کی نظر میں ایسا عمل بہت محبوب عمل ہے۔ مومن کے ہاتھوں کبھی کوئی رشتہ ٹوٹنا نہیں چاہیے۔

کوشش کریں کہ دوسرے کو بھی نہ توڑنے دیں۔ آپ اپنی طرف سے انا کو مکمل قربان کر کے رشتہ جوڑے رکھنے کو ترجیح دیں۔ یہ اللہ کا قانون ہے کہ رشتہ داروں نے ایک دوسرے کو یہی اہمیت دینی ہے۔ اور وہ آپس میں زیادہ ایک دوسرے کے حق دار ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ مہاجرین اور انصار میں وقتی طور پر مواخات قائم کی گئی تھی۔ وہ حقیقی رشتہ دار نہیں تھے، لیکن مہاجر بے گھر مسلمانوں کے لیے انصار سگے بھائی بنا دیے گئے تھے۔ یہ وقتی طور پر ایک مجبوری بن گئی تھی کہ چونکہ مہاجر بے گھر ہو گئے تھے، اس لیے انصار نے انھیں سگا بھائی بنا کر میراث میں بھی جگہ دے دی۔ یہ ایک وقتی معاملہ تھا۔ اس کے علاوہ جو وقتی قرابت ہوتی ہو گی، اس پر حقیقی رشتہ داروں کو ترجیح حاصل ہو گی، ان کے زیادہ حقوق ہوں گے۔ ہاں، اگر آپ کے جو قریبی رشتہ دار ہیں، ان کے علاوہ آپ کے کوئی تعلق دار ہیں، وہ مستحق ہیں یا ان کے آپ پر کوئی احسانات ہیں، آپ ان کے ساتھ بھلائی چاہتے ہیں، تو آپ کو انصاف کے ساتھ ان کے لیے وصیت کر لینے کی اجازت ہو گی۔ آپ اپنے مال و جایداد میں سے ان کے لیے بھی کوئی حصہ وقف کر سکتے ہیں، مگر یہ سب ناانصافی اور قرابت داروں کو محروم کرنے کی غرض سے نہیں ہونا چاہیے۔

بعض لوگ اپنی اولاد سے تنگ آکر انھیں عاق کر دیتے ہیں۔

بعض لوگ یوں کرتے ہیں کہ ان کی اپنی اولاد کوئی نہیں ہوتی اور وہ سمجھتے ہیں کہ بھائی سے ہماری ٹھیک نہیں بنتی تو وہ کسی اور عزیز کو مرنے سے پہلے اپنی جایداد شفٹ کر دیتے ہیں تاکہ ان کے قرابت دار محروم ہو جائیں۔ یہ ناانصافی ہے، اس طرح کے ناانصافی پر مبنی طریقے نہیں اپنانے چاہییں۔ قرابت داروں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ نے خود یہ بتادیا ہے کہ کس کس کا حق کتنا ہو گا[۳]۔ اللہ تعالیٰ نے میراث کا یہ اٹل قانون طے کر کے مومنین سے اس کی پابندی چاہی ہے، اور اس تنبیہ کے ساتھ چاہی ہے کہ یہ خدا کے ٹھیرائے ہوئے حدود ہیں جنھیں توڑنا تو درکنار توڑنے کی غرض سے قریب بھی نہیں پھٹکنا چاہیے۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ ہم نے اپنی اس زندگی گزارنے میں خدا کا رشتہ اپنے سامنے رکھنا ہے۔ ہر رشتے کو اسی کی ہدایات کے مطابق نبھانا ہو گا۔ چنانچہ خدا کی ہدایت کے مطابق ہمیں سب رشتوں میں مرکزی حیثیت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دینی ہے۔

اس کا طریقہ یہ ہو گا کہ ہمیں ہر حال میں اپنی ذات پر اپنے رشتہ داروں پر بھی ان کے حکم و رضا کو ترجیح دینی ہو گی۔ ہم نے رشتہ داروں کی خاطر ان کا حکم نہیں چھوڑ دینا۔ ہم نے اپنی خواہشات کے مطابق یا اپنی مجبوریوں کی وجہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نظر انداز نہیں کرنا۔ ہم نے ان کی سچائی کی تعلیمات کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا ہے۔ اس کے بعد ہم پر اپنی جان کا حق ہے، اور اس کے بعد ہمارے قرابت داروں اور رشتہ داروں کا ہے۔ یوں یہ سلسلہ بتدریج بڑھتا ہوا پڑوس اور سارے انسانوں کا احاطہ کر لیتا ہے۔

بندوں کے حقوق کی بنیادیں خدا نے واضح طور پر بتادیں۔ حقوق العباد کا قصر اسی پر تعمیر کیا جا سکتا ہے۔ انسانی حقوق کی اس بنیاد کو ہلا دیا جائے تو انسان راہ عدل سے ہٹ جائیں گے، جس کے نتیجے میں رشتے پامال ہوں گے اور زمین میں فساد بپا ہو جائے گا۔ خدا کے بندوں کی حق تلفی فساد کا سبب بن جاتی ہے۔ مومن کبھی ان خدائی ہدایات اور ایمانی تقاضوں سے غافل نہیں رہ سکتا۔

۳۔ النساء ۴: ۱۱، آیت میراث۔

نعیم احمد

اشاریہ ماہنامہ ”اشراق“ ۲۰۲۰ء

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قرآنیات

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
جنوری	البیان: النور ۲۴: ۱۱-۲۶ (۲)	جاوید احمد غامدی	۱۲
فروری	البیان: النور ۲۴: ۲۷-۳۴ (۳)	〃	۹
مارچ	البیان: النور ۲۴: ۳۵-۴۰ (۴)	〃	۱۴
اپریل	البیان: النور ۲۴: ۴۱-۵۷ (۵)	〃	۱۷
مئی	البیان: النور ۲۴: ۵۸-۶۴ (۶)	〃	۱۱
〃	عنِ ”البیان“: زنا کی سزا	رضوان اللہ	۱۷
جون	البیان: الفرقان ۲۵: ۱-۹ (۱)	جاوید احمد غامدی	۱۴
جولائی	البیان: الفرقان ۲۵: ۱۰-۳۴ (۲)	〃	۱۲
اگست	البیان: الفرقان ۲۵: ۳۵-۴۴ (۳)	〃	۱۱
ستمبر	البیان: الفرقان ۲۵: ۴۵-۶۲ (۴)	〃	۱۵
اکتوبر	البیان: الفرقان ۲۵: ۶۳-۷۷ (۵)	〃	۷
نومبر	البیان: الشعراء ۲۶: ۱-۶۸ (۱)	〃	۶

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
دسمبر	البیان: الشعراء۲۶: ۶۹-۱۰۴ (۲)	جاوید احمد غامدی	۱۸

معارف نبوی

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
مارچ	غنا اور موسیقی (۱)	جاوید احمد غامدی/ ڈاکٹر محمد عامر گزدر	۲۰
״	اخلاقیات (۴)	جاوید احمد غامدی/ محمد حسن الیاس	۳۸
اپریل	غنا اور موسیقی (۲)	جاوید احمد غامدی/ ڈاکٹر محمد عامر گزدر	۲۴
دسمبر	عذاب قبر (۱)	جاوید احمد غامدی/ ڈاکٹر محمد عامر گزدر	۲۳

دین و دانش

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
اپریل	رمضان سے پہلے	محمد ذکوان ندوی	۵۷
مئی	ماہ رمضان کا مقصد	ریحان احمد یوسفی	۲۲
نومبر	برائی و زیادتی کا بدلہ لینا —— قرآن مجید کی روشنی میں	ڈاکٹر محمد عامر گزدر	۲۰
دسمبر	دعوت دین میں انتقام	رضوان اللہ	۴۱

شذرات

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
جنوری	مدرسۃ الاصلاح سیمینار: جناب جاوید احمد غامدی کا خطاب	سید منظور الحسن	۴
״	نقل مکانی اور شہریت کا مسئلہ: جناب جاوید احمد غامدی کا موقف	״	۸
فروری	پاک بھارت تعلقات —— جناب جاوید احمد غامدی کا اصولی موقف	״	۴
مارچ	مسلمانوں کی سیاست کے بنیادی اصول: جناب جاوید احمد غامدی کا نقطۂ نظر	״	۴
اپریل	کورونا وائرس کی وبا: جناب جاوید احمد غامدی کے تاثرات (۱)	״	۴
مئی	روزہ	جاوید احمد غامدی	۴

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
مئی	کورونا وائرس کی وبا: جناب جاوید احمد غامدی کے تاثرات (۲)	سید منظور الحسن	۷
جون	فہم دین میں قدیم صحائف سے اخذ و استفادہ: جناب جاوید احمد غامدی کے موقف کا تقابلی مطالعہ (۱)	"	۴
جولائی	قربانی	جاوید احمد غامدی	۴
جولائی	فہم دین میں قدیم صحائف سے اخذ و استفادہ: جناب جاوید احمد غامدی کے موقف کا تقابلی مطالعہ (۲)	سید منظور الحسن	۶
اگست	وحی اور فطرت کا باہمی تعلق: جناب جاوید احمد غامدی کے موقف کا تقابلی مطالعہ (۱)	"	۴
ستمبر	وحی اور فطرت کا باہمی تعلق: جناب جاوید احمد غامدی کے موقف کا تقابلی مطالعہ (۲)	"	۴
اکتوبر	انتہا پسندی سے نجات کا راستہ	"	۴
نومبر	غامدی صاحب کی تعبیر ''دین کا تنہا ماخذ'' کا مفہوم	"	۴
دسمبر	وحی اور فطرت کا باہمی تعلق: جناب جاوید احمد غامدی کے موقف کا تقابلی مطالعہ (۳)	"	۴

نقطۂ نظر

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
جنوری	نبوت کی تصدیقی اسناد اور ختم نبوت	ڈاکٹر عرفان شہزاد	۵۳
فروری	مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعویٰ نبوت کے ایک بنیادی استدلال کا جائزہ	"	۵۸
مئی	قومی اور مذہبی اظہاریوں کا خلط مبحث اور سماج کی تقسیم کاری	"	۴۹
جون	ہم جنس پرستی اور جنسی زیادتی: دینی اور سماجی تناظر میں متعلقہ مسائل کا جائزہ اور تجاویز	"	۳۶
اگست	عہد رسالت میں مرد اور خواتین کے سماجی اختلاط اور روابط کی جہات	"	۲۶

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
ستمبر	پاکستان میں غیر مسلموں کی نئی عبادت گاہوں کی تعمیر اور قومی خزانے سے ان پر اخراجات کا مسئلہ	ڈاکٹر عرفان شہزاد	۳۳
″	کیا حفظ قرآن کریم کی تعلیمی اہمیت سے انکار ممکن ہے؟	ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری	۳۶
اکتوبر	میٹرک اور اولیول کے اسلامیات کے نصابات کا تقابلی تجزیہ	ڈاکٹر عرفان شہزاد	۳۳
″	کیا قرآن خالق کا کلام ہے: ایک مختصر عقلی جائزہ	ڈاکٹر عدیل احمد	۴۷
نومبر	تورات و انجیل میں صحابۂ کرام کی تمثیل	عدنان اعجاز	۴۹
دسمبر	حدیث: ''میری امت میں خلافت تیس سال رہے گی'' کا ایک جائزہ	ڈاکٹر عرفان شہزاد	۴۹
″	حرمت کے مہینوں میں قتال کی ممانعت: امام سرخسی کا استدلال	محمد حسن الیاس	۵۴

نقد و نظر

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
اگست	تاویل واحد کی تغلیط	محمد حسن الیاس	۳۸

سیر و سوانح

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
جنوری	حضرت علی رضی اللہ عنہ (۱۳)	محمد وسیم اختر مفتی	۶۷
فروری	حضرت علی رضی اللہ عنہ (۱۴)	″	۶۵
مارچ	حضرت علی رضی اللہ عنہ (۱۵)	″	۸۲
اپریل	حضرت علی رضی اللہ عنہ (۱۶)	″	۷۷
مئی	حضرت علی رضی اللہ عنہ (۱۷)	″	۶۰
جون	حضرت علی رضی اللہ عنہ (۱۸)	″	۵۶
جولائی	حضرت علی رضی اللہ عنہ (۱۹)	″	۶۸
اگست	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (۱)	″	۴۹
ستمبر	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (۲)	″	۵۵
اکتوبر	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (۳)	″	۵۳

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
نومبر	حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ (۱)	محمد وسیم اختر مفتی	۶۷
دسمبر	حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ (۲)	〃	۵۹

مقالات

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
جنوری	قرآن وسنت کا باہمی تعلق: اصولی مواقف کا ایک علمی جائزہ (۱۳)	محمد عمار خان ناصر	۲۱
〃	حجج القرآن: الحکمۃ البازغۃ والحجۃ البالغۃ (۱)	امام حمید الدین فراہی / ڈاکٹر سید عدنان حیدر	۴۱
فروری	قرآن وسنت کا باہمی تعلق: اصولی مواقف کا ایک علمی جائزہ (۱۴)	محمد عمار خان ناصر	۱۸
〃	حدیث میں اونٹ کا پیشاب پینے کا حکم!!!	ساجد حمید	۳۳
〃	حجج القرآن: الحکمۃ البازغۃ والحجۃ البالغۃ (۲)	امام حمید الدین فراہی / ڈاکٹر سید عدنان حیدر	۴۳
مارچ	قرآن وسنت کا باہمی تعلق: اصولی مواقف کا ایک علمی جائزہ (۱۵)	محمد عمار خان ناصر	۵۳
〃	فکر اسلامی کی تشکیل جدید	خورشید احمد ندیم	۶۶
اپریل	قرآن وسنت کا باہمی تعلق: اصولی مواقف کا ایک علمی جائزہ (۱۶)	محمد عمار خان ناصر	۶۱
〃	وجود باری تعالیٰ کے دلائل	محمد عدیل طارق	۷۲
مئی	ملت ابراہیمی کی اتباع: مفہوم اور مضمرات	محمد عمار خان ناصر	۲۶
جون	”میزان“ —— توضیحی مطالعہ (۱)	〃	۲۱
جولائی	پہلی وحی کی روایات کا تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر شہزاد سلیم	۲۰
اگست	”میزان“ —— توضیحی مطالعہ (۲)	محمد عمار خان ناصر	۱۴
ستمبر	”میزان“ —— توضیحی مطالعہ (۳)	〃	۲۲
اکتوبر	قرآن وسنت کا باہمی تعلق: مکتب فراہی کا اصولی رجحان	〃	۱۲
نومبر	احناف کے موقف سے متعلق چند تنقیحات	〃	۳۴

اصلاح ودعوت

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
جنوری	انسان	محمد تہامی بشر علوی	۸۱

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
مئی	ایک عجیب ظاہرہ	محمد ذکوان ندوی	۷۶
؍	مقصد و ضرورت	محمد تہامی بشر علوی	۸۰
جون	حیات پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم	؍	۷۰
جولائی	دور فقا	؍	۷۹
اگست	پہلے قرآن	محمد ذکوان ندوی	۶۴
؍	مثبت و منفی: عملی صورتیں	محمد تہامی بشر علوی	۶۷
ستمبر	احتساب کا وقت	محمد ذکوان ندوی	۷۲
؍	بے بسی، اُس وقت کی	محمد تہامی بشر علوی	۷۴
اکتوبر	صراط مستقیم	محمد ذکوان ندوی	۶۴
؍	دو جہتی تصور زندگی	محمد تہامی بشر علوی	۶۶
نومبر	مسجد: مقام عبادت بھی، مرکز خدمت بھی	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۷۵
؍	کثرت سے یاد خدا	محمد تہامی بشر علوی	۸۰
دسمبر	سازش کا نظریہ	محمد ذکوان ندوی	۶۹
؍	حفظ مراتب	محمد تہامی بشر علوی	۷۳

یسئلون

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
فروری	الحر بالحر	رضوان اللہ	۸۰
جون	انبیا کی تعلیمات کا دائرہ	محمد حسن الیاس	۷۶
ستمبر	حدیث متواتر	؍	۸۰

تبصرۂ کتب

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
اگست	”ارمغان جمیل جالبی“	محمد حسنین اشرف	۷۲

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

Trusted Name for Last 65 years

Best Treatment for Your Branded Kurtas, Bosky
Ladies' Shalwar Suits, Trousers, Dress Shirts & Jackets

Since 1949

Snowhite

DRYCLEANERS

Largest Cleaning Network ... COUNTRYWIDE!

TQCSI Quality Certified ISO 9001 : 2000

Brands of the year Award
IT'S ALL ABOUT CHAMPIONS
2011-2012

Web: www.snowhite.com.pk

Tel: 021-38682810